آئینہ بریلویت
تقریظ
مفتی نظام الدین شامزئیؒ
تالیف
انور حسین گودھروی
ناشر
مکتبہ اصلاحِ ملت

﴿كل بدعة ضلالة وكل ضلالة فى النار. الحديث﴾

علماء وطلبہ کے لیے ایک بیش بہا تحفہ

آئینۂ بریلویت

اس کتاب میں پڑھیے

اہل سنت والجماعت کی وضاحت، بدعات پر وعیدیں، اس بات کا ثبوت کہ بریلوی حضرات کا تعلق نہ اہل سنت والجماعت سے ہے نہ حنفی مسلک سے، نبی پاک ﷺ کا عمامہ کیسا تھا، انگوٹھے چومنے کی حقیقت، مصافحہ ومعانقہ بعد نماز کرنا کیسا ہے، قبروں پر اذان کی حقیقت، نماز جنازہ کے بعد دعا کی حقیقت، قبروں کو پختہ کرنے کی حقیقت، قبروں پر چراغاں کرنا، اذان سے پہلے صلوٰۃ وسلام کی حقیقت، سلام پڑھنے کی حقیقت، درود وسلام کونسا ہے، عید میلاد النبی کی حقیقت، عرس کی حقیقت اور بہت کچھ مستند دلائل واقوال کے ساتھ۔

تالیف

مولانا انور حسین گودھروی

فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

پسندیدہ ارشادات:

فقیہ العصر استاذ العلماء حضرت اقدس ڈاکٹر مفتی نظام الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث بنوری ٹاؤن

تقریظ:

قاطع شرک وبدعت استاذ العلماء حضرت اقدس مولانا سعید اللہ صاحب دامت برکاتہم استاذ التفسیر مدرسہ گلشن عمرؓ شاخ بنوری ٹاؤن

نام کتاب: آئینہ بریلویت

مؤلف: مولانا انور حسین گودھروی

ایڈیشن: دوم

ماہ وسال اشاعت: مارچ ۲۰۰۶

ناشر: مکتبہ اصلاح وملت

قیمت:

ملنے کے پتے

اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی

مکتبۃ العلوم بنوری ٹاؤن ۰۳۳۳-۳۲۲۷۷۰۶

قدیمی کتب خانہ آرام باغ کراچی

بیت الکتب گلشن اقبال کراچی

کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی

دارالاشاعت اردو بازار کراچی

اقبال بک سینٹر صدر کراچی

فہرست مضامین

☆......☆......☆

تقریظ

فقیہ العصر استاذ العلماء حضرت اقدس ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ
شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لِلّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لانبی بعدہ وعلیٰ الہٖ واصحابہ الذین اوفوا عھدہ.

امابعد

صاحب رسالہ نے صحیح العقیدہ اور فاسد العقیدہ دو فرضی شخصوں کے درمیان مکالمہ کی صورت میں یہ رسالہ مرتب فرمایا ہے، یقیناً احقاقِ حق اور ابطال باطل، حاملین قرآن وسنت کا وطیرہ بلکہ فریضہ رہا ہے، مگر اندرونی خلفشاروں کو ایک طرف رکھ کر امت مسلمہ کی اجتماعی ومشترکہ فکر کے لیے وحدت کی علامت بننا ماضی کی لائق تقلید مثال اور حال ومستقبل کی ناقابل فراموش ضرورت ہے۔

آج امت مسلمہ کی اجتماعی ابتری کے جس دور سے ہم گزر رہے ہیں اس میں ہمارے مخالفین اور ہم سب کو حضرت تھانویؒ کے فلسفہ پر عمل پیرا ہونا چاہیے یعنی ”اپنا مسلک چھوڑو نہیں اور دوسروں کا مسلک چھیڑو نہیں۔“

اجتماعی مفاد، اپنے مقاصد کی تکمیل اور معاشرے کی بہترین تعمیر کے لیے اس سے زیادہ موزوں فارمولا شاید ہی میسر ہو سکے۔

مگر افسوس کہ بعد ناعاقبت اندیش لوگ امت مسلمہ کی کسمپرسی سے بے گانہ ہوکر امت مسلمہ کے اندرونی اختلافات کو مسلسل ہوا دے رہے ہیں جن میں ایک طبقہ ایسا بھی ہے جس نے ضبط وتحمل، رواداری، امانت ودیانت اور اخلاقی اقدار کے سارے ضابطوں سے تہی دامن ہوکر علماء حق علماء دیوبند اور ان کے کارناموں کو مکدر کر کے پیش کرنے کا گویا ٹھیکہ اٹھا رکھا ہے۔ اسی پر اکتفا نہیں بلکہ امت مسلمہ کے سادہ لوح لوگوں کے درمیان مختلف قسم کی غلط فہمیاں پیدا کرنے اور زہریلے فاسد نظریات کی داغ بیل ڈالنے میں شبانہ روز محنت کر رہے ہیں۔ صاحب رسالہ نے انہی غلط روش کے تعارف یا انسداد کے لیے بعض تحریرات کے ردعمل کے طور پر یہ کوشش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ موصوف کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور سادہ لوح مسلمان بھائیوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

فقط والسلام

نظام الدین

۱۴۲۵/۲/۱

تقریظ

فضیلۃ الشیخ حضرت اقدس مولانا سعید اللہ صاحب دامت برکاتہم
استاذ وناظم تعلیم الاسلام شاخ جامعۃ العلوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس جہانِ رنگ وبو میں مختلف عقائد، نظریات اور خیالات کے لوگ پائے جاتے ہیں اور ہر کوئی اپنے عقیدے، نظریے اور خیال کو درست سمجھتا ہے اور دوسروں کو بھی ایسا ہی خیال اور نظریہ اپنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ کل حزب بمالدیھم فرحون ۔ ہر کوئی اپنے نظریات اور خیالات پر مطمئن اور خوش ہے۔ کسی معاملے میں کسی کا نظریہ اور نقطۂ نظر درست اور کس کا غلط ہے؟ اس کو پرکھنے کے انداز بھی جدا جدا ہیں، یہی وجہ ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک دنیا میں انسانوں کے درمیان لاکھوں دینی، سیاسی، سماجی اور انفرادی واجتماعی مسائل پر ہزاروں مختلف مکاتب فکر وجود میں آئے جن کی فکری اور نظری چپقلش نے کئی کئی انقلابات زمانہ کو جنم دیا اور کئی کئی ملکوں اور شہروں کی تاریخ بدل ڈالی۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ کون سا معیار ہے، جس کو اختیار کر کے ان اختلافات کو دور کیا جاسکتا ہے اور وہ کون سا آئینہ ہے جس پر افکار ونظریات کے اس ٹکراؤ میں حق اور باطل کی شکلیں الگ الگ اور جدا جدا نظر آسکیں؟

اس سوال کا جواب دین فطرت اسلام کے پاس موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ حق اور باطل کے درمیان امتیاز قائم کرنے کے لیے انسانی رائے سوچ اور زاویہ نگاہ کو فیصل قرار دینے کی بجائے انسانیت کے خالق خداوند قدوس کی کتاب اور اس کے پیارے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتوں کو معیار تسلیم کیا جائے، کیونکہ یہ بات مسلمات

میں سے ہے کہ فکر ونظر کے جن عقدوں کو انسانی عقل حل نہیں کرسکتی ان کو حل کرنے کے لیے وحی سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے، لہٰذا اگر کسی عقیدے، نظریے اور عمل کے بارے میں یہ معلوم کرنا ہے کہ آیا وہ حق اور صداقت کے تقاضوں کے مطابق ہے یا نہیں تو اس کا طریق یہی ہے کہ اسے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف لوٹایا جائے اور دیکھ لیا جائے کہ یہ قرآن وسنت کی تعلیمات سے کتنا میل کھاتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مقدس میں خود ارشاد فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں کسی مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو ان کو چاہیے کہ وہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹائیں یعنی اللہ کی کتاب اور اللہ کے پیغمبر کی سنت سے اس کا حکم معلوم کریں۔ لہٰذا اسلام کا دعویٰ رکھنے والے تمام طبقوں کا فرض بنتا ہے وہ اپنے عقائد اور نظریات کے اختلاف کو دور کرنے کے لیے قرآن وسنت سے رہنمائی حاصل کریں۔ جس مسئلہ کا ثبوت قرآن وحدیث کی صحیح اور صریح نصوص اور قرآن وحدیث کا صحیح علم رکھنے والے ائمہ مجتہدین، مفسرین اور فقہاء کی تصریحات میں ملے اسے قبول کیا جائے اور جس کا کوئی اصل نہ ہو اسے ترک کیا جائے کیونکہ یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ جس چیز کی قرآن وسنت میں کوئی اصل نہ ہو وہ بدعت ہوتی ہے اور بدعت کے بارے میں اسلام میں سخت ترین قسم کی وعیدیں آئی ہیں۔ اسی طرح اسلامی عقائد ونظریات میں قرآن وسنت کے متعین کردہ حدود سے تجاوز کیا جائے گا تو دین میں بگاڑ پیدا ہوگا اور نئی نئی بدعات اور اختراعات پیدا ہونے سے امت میں انتشار پیدا ہوگا۔ یہ بات بھی کسی عاقل مسلمان پر مخفی نہیں کہ قرآن کریم نے سب سے سخت الفاظ میں جس چیز کی مذمت کی ہے وہ شرک ہے اور شرک ایک ایسا گناہ ہے، جس میں پڑے ہوئے شخص کو بسا اوقات اپنے گناہ کا احساس نہیں ہوتا وہ اسے محبت، عقیدت اور ثواب واطاعت سمجھ کر کرتا ہے حالانکہ وہ درحقیقت موبقات ومہلکات میں سے ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری

ہے کہ ہر مسلمان کو توحید وشرک، سنت وبدعت میں فرق معلوم ہو اور اس کو اتنی معلومات حاصل ہوں کہ وہ صحیح عقائد کے درمیان تمیز کر سکے۔ اس سلسلہ میں علماءِ حق نے ہر دور میں بڑا کام کیا اور ان موضوعات پر ہزاروں کتابیں تصنیف کی جاچکی ہیں جن کی اہمیت وافادیت اپنی جگہ مسلمہ ہے۔ مگر زیر نظر رسالہ جسے ہمارے برادر عزیز اور ہونہار شاگرد مولانا انور حسین گودھروی صاحب ضبط تحریر میں لائے ہیں اس لحاظ سے ممتاز اور منفرد انداز کا حامل ہے کہ اس میں کئی پیچیدہ اور اہم علمی مباحث اور اختلافات کو تحریر وبیان کے ایک دلچسپ اسلوب میں سوال اور جواب کی شکل میں بیان کیا ہے۔ اس انداز سے کہ قاری کو عام فہم زبان وبیان میں ان مسائل کی گہرائی اور ان میں اہل حق کے مضبوط دلائل اور اہل بدعت کے دلائل کے جوابات کا بھی کافی وشافی علم حاصل ہوتا ہے اور قاری کے ذہن پر کسی قسم کا بوجھ نہیں پڑتا۔

فاضل مؤلف نے نہایت آسان اور ہلکے پھلکے انداز میں سنت وبدعت کے فرق کو واضح کرنے اور سنت کے نام پر ایجاد کی جانے والی بدعتوں کی حقیقت واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، تاہم اہل حق کے دلائل کے بیان اور مخالفین کے دلائل کے علمی جوابات دینے میں بھی بخل سے کام نہیں لیا۔ یہ رسالہ حق کے متلاشی عوام کے لیے خاص طور پر ایک بیش بہا تحفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے، ان کی اس کتاب کو قبولیت تامہ عطا فرمائے اور انہیں اس طرح کی علمی کاوشوں کا سلسلہ جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

فقط

سعید اللہ غفرلہٗ

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امابعد

نظریے اور رائے کا اختلاف اس کائنات ہستی میں ایک ناگزیر حقیقت ہے، یہاں تک کہ بہت سی چیزوں کے وجود اور پہچان کا مدار ہی ان کے آپس کے اختلاف پر ہے۔ دن اگر رات سے مختلف ہے تو رات بھی اپنے اندر وہ اوصاف رکھتی ہے جس سے وہ دن سے علیحدہ نظر آئے۔ اور یہ بات بھی اپنی جگہ بالکل اٹل ہے کہ ہر اختلاف محمود یا ہر اختلاف مذموم نہیں ہوتا، اس بات کا بخوبی اظہار مذہبی افکار میں عام نظر آتا ہے۔

اختلاف محمود میں مختلف نظریات کے حامل افراد تلاش حق میں اپنے مخصوص طرز فکر کے ساتھ مخلصانہ سعی کرتے ہیں اور فریق ثانی کی توہین وتحقیر ان کے پیش نظر نہیں ہوتی یہی حال دوسرے فریق کا بھی ہوتا ہے۔ جبکہ اختلاف مذموم اس کے برعکس دوسری کیفیت کا نام ہے۔ جس میں اگر ایک فریق حق پر ہو تو دوسرے فریق کا مقصد محض اسے نیچا دکھانا اور شہرت وناموری کے حصول کے لیے بے جا اور معاندانہ اختلاف کرنا ہوتا ہے۔

حالات وواقعات شاہد ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مبارک زمانہ میں نظریاتی اور عقائد پر مشتمل مذکورہ بالا دوسری قسم کے اختلاف کا وجود نہیں تھا۔ لیکن نبی صادق صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے موافق آگے چل کر یہ اختلاف ہونا بھی ناگزیر تھا، اس لیے اس پر رہبر کامل ہادیٔ برحق حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی ہدایت کے لیے پیش بندی کے طور پر پہلے ہی تنبیہ فرمادی تھی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

ان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین وسبعین ملة وتفترق امتی علیٰ ثلث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحدة قالو ومن هی یا رسول الله قال ما انا علیه واصحابی. (مشکوٰۃ)

ترجمہ: ’’بے شک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹے گی تمام فرقے دوزخی ہوں گے سوائے ایک جماعت کے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ (نجات پانے والے) کون لوگ ہوں گے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے۔‘‘

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ اس امت میں بھی ایسا (مذموم) اختلاف پیدا ہوگا جیسا پچھلی امتوں میں ہوا۔ اور سادہ لوح عوام اس صورت حال سے یقیناً پریشان ہوں گے کہ اتنے فرقوں میں سے ہر ایک اپنے آپ کو حق پر کہتا اور سمجھتا ہے پھر کس کی بات مانی جائے اور کس کے دعویٰ کو درست تسلیم کیا جائے۔ لیکن مذکورہ بالا حدیث مبارک سے اس مسئلہ کا حل اور اس سوال کا جواب بھی مل جاتا ہے اس طور پر کہ دعویٰ کرنے والوں کا قول وعمل اور عقائد اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملتے اور ان کے طریقے پر ہوں گے تو وہی حق پر ہوں گے اور جن کا قول وعمل اور عقیدہ ان حضرات کے مطابق نہیں ہوگا وہ یقیناً ناحق پر ہی ہونگے۔ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس کے ذریعے ایک عام سمجھ رکھنے والا شخص بھی حق وباطل میں بآسانی تمیز کرسکتا ہے کیونکہ ضروریات دین کا علم حاصل کرنا اور دین اسلام کے بنیادی عقائد اور اعمال کی معلومات رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بھیجے ہوئے ادیان میں سے ہر ایک میں کچھ اوصاف رکھے جن کے ذریعے وہ دوسری ملتوں اور مذاہب سے ممتاز رہا اگر یہ امتیازی اوصاف اور خصوصیات نہ

ہوتیں تو کوئی ملت اپنا وجود باقی نہ رکھ سکتی تھی۔ دین اسلام بھی اپنی مخصوص تعلیمات اور معتدل عقائد اور فطرت سلیمہ پر مبنی احکامات کی بنا پر سابقہ تمام ادیان سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے جو کہ ایک فطری تقاضا ہے، اسی طرح مذہب اسلام کے پیروکار بھی دیگر مذاہب والوں سے متعدد وجوہ سے ممتاز حیثیت رکھتے ہیں اور یہ مذہبی تشخص اسلام کی تعلیمات کا حصہ اور اسلام کے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ قرآن پاک نے اپنی واضح تعلیمات کے ذریعے مسلمانوں کے ظاہر اور باطن کو غیر مسلموں سے بالکل الگ کرکے واضح احکام ارشاد فرمائے ہیں تاکہ مطیع اور نافرمان، اور صادق وکاذب صاف طور پر نمایاں ہوجائیں۔

وجہ تالیف

امت مسلمہ کی گوناگوں پریشانیوں اور پستی کے اسباب میں سے اس میں مختلف عقائد کے فرقوں کا پایا جانا بھی ہے اور علی الخصوص ہمارے خطہ اور حالات کے لحاظ سے دیوبندی اور بریلوی اختلاف تفرقہ اور نااتفاقی کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔

راقم نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہاں بدعت پسند نظریات کی حامل مخالف قوتوں کا زور تھا جس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ اہل حق اپنی خدمات دینیہ میں گوناگوں مشغولیات کی وجہ سے فریق مخالف کی ہرزہ سرائی اور اختلافی مہم کو ثانوی درجہ دیتے ہیں، اگرچہ موجودہ حالات کا تقاضا یہی ہے کہ اختلاف کو برداشت کرکے دین اسلام کی ترقی کے لیے کام کیا جائے لیکن فریق مخالف کے شدت پسند افراد کی جانب سے آئے دن علماء دیوبند کے خلاف کسی نہ کسی صورت میں کوئی نہ کوئی مہم چلائی جاتی ہے۔ کبھی تقاریر میں ان کے خلاف نازیبا الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں کبھی تحریری طور پر اشتہاری مہم کے ذریعے جھوٹے اور الزامات پر مبنی غلط عقائد کی نسبت ان کی طرف کی جاتی ہے۔ ابھی حال ہی کا واقعہ ہے کہ علاقے کی مسجد کے ایک غیر

ذمہ دار بدعتی امام صاحب نے اپنی مزعومہ "عیدمیلادالنبی" منانے کے لیے اور اس کو دین کا حصہ ثابت کرنے کے لیے تمام تر کوششیں صرف کر ڈالیں اور سادہ لوح عوام کو خوب گمراہ کیا جس سے علاقے کی فضا کشاکش اور افتراق کا شکار ہوگئی۔ راقم اور دیگر احباب کی کوششوں سے اس کا تحریری جواب چند صفحات کی صورت میں لکھا گیا اور حقیقت حال واضح کی گئی کہ اس موقع پر یہ "عید منانے" کا عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تابعین وخیرالقرون کی تعلیمات کے بالکل برخلاف ہے بلکہ بعد کی پیداوار ہے۔ اور امت مسلمہ کے مسلّم حضرات فقہاء کرام کے اقوال وفتاویٰ جات بھی اس سلسلے میں پیش کیے گئے جس کے بعد یہ معاملہ بالکل دب گیا اور مخالفین کا سارا شوروغوغا کافور ہوگیا۔

اس کے بعد بندہ کے دل میں مستقل یہ خیال آتا رہا کہ ان کے مذہب اور مسلک کے بارے میں عوام کی معلومات کے لیے ایک کتابچہ تحریر کر کے پیش کر دیا جائے۔ لیکن کیونکہ اس سلسلہ میں پہلے بھی کافی کتابیں اور علماء دیوبند کی گرانقدر تصنیفات اور مسکت جوابات عرصہ دراز سے شائع ہو چکے ہیں اس لیے اس خیال کی تکمیل کے لیے عام طریقہ تصنیف سے ہٹ کر سوال جواب کی شکل میں ایک مختصر رسالہ لکھا گیا تا کہ پڑھنے والے کے سامنے تمام مسائل باآسانی متحضر رہیں، نیز عام اور سادہ علم رکھنے والے افراد بھی اس سے پوری طرح استفادہ کرسکیں اور انہیں بھی حق وباطل میں تمیز ہوسکے اور بدعات ورسومات پر عشق ومحبت کے پردہ کی نقاب کشائی کا منظر ان کے سامنے بھی واضح ہوسکے۔ اس رسالہ کا اصل مقصد یہ ہے کہ لوگ خود بھی بدعات اور غلط عقائد سے بچیں اور دوسروں کو بھی پورے دلائل اور شرح صدر کے ساتھ گمراہی سے بچائیں، اللہ تعالیٰ اس رسالہ کو نافع بنائیں۔ آمین

خصوصیات

۱۔ اس کتابچہ کو سوال وجواب کی صورت میں تحریر کیا گیا ہے تا کہ آسانی کے ساتھ

ذہن نشین ہوجائے۔

۲۔ مخالفین کے مضبوط دلائل ان کی کتابوں سے نقل کیے گئے ہیں اور پھر قرآن وحدیث اور مستند علماء کرام کے محکم حوالوں سے ان کے عقلی ونقلی جواب پیش کیے گئے ہیں۔

۳۔ مخالفین نے اپنی کتابوں میں جو دلائل بغیر حوالوں کے پیش کیے ہیں راقم نے انتھک محنت کر کے حوالے تلاش کیے اور پھر ان کی حقیقت واضح کی ہے۔

۴۔ ہر مسئلہ میں ایک منصف ذکر کیا گیا ہے تا کہ دوطرفہ دلائل کے بعد اپنا فیصلہ سنا سکے۔

انور حسین گودھروی

بدعتی سے ملاقات

عبدالحارث: السلام علیکم

سعید: کوئی جواب نہیں دیا اور نہ کوئی عزت کی۔

عبدالحارث: میں نے سلام کیا آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

سعید: نہ میں بدعتی کو سلام کرتا ہوں اور نہ جواب دیتا ہوں اور نہ عزت کرتا ہوں۔

عبدالحارث: اس سے پہلے تو سلام بھی کرتا اور جواب بھی دیتا تھا اور عزت کرتا تھا۔

سعید: یہ بات ٹھیک ہے۔

عبدالحارث: اب کیا ہو گیا ایک دم بدل گیا۔

سعید: اللہ تعالیٰ نے کچھ سمجھ داری دی اور کچھ علم پڑھنے کا موقع دیا۔

عبدالحارث: وہ کیا ہے؟

سعید: پہلے میں جاہل وان پڑھ تھا اللہ نے توفیق دی تو کچھ علم حاصل کیا اور اس پر عمل کر رہا ہوں۔

بدعتی کی عزت کرنا ناجائز ہے

عبدالحارث: کون سا علم تو نے حاصل کیا اور تو اس پر عمل کر رہا ہے؟

سعید: حدیث میں آتا ہے من وقر صاحب بدعة فقد اعان على هدم الاسلام

(مشکوۃ ج ۱ ص ۳۱)

جس شخص نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ستون کو گرا دینے میں مدد کی۔ اس حدیث کی رو سے میں نے نہ جواب دیا اور نہ عزت کی کیونکہ تم لوگ بدعتی ہو اور بدعتیوں کی تعظیم وعزت کرنا ناجائز ہے بدعتی کی تحقیر وتذلیل کرنا اس بات کا اظہار ہے کہ اسے سنت

سے محبت ہے اور بدعتی کی عزت کرنا اس بات کا اظہار ہے کہ اس نے سنت کی تحقیر کی اور اسلام کی عمارت کو اجاڑا۔

اھل سنت والجماعت کسے کھتے ھیں

عبدالحارث: تم زیادتی کر رہے ہو ہم لوگ بدعتی نہیں ہیں۔

سعید: تو پھر کیا آپ لوگ اہل سنت والجماعت میں شامل ہیں۔

عبدالحارث: جی ہاں ہم اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔

سعید: اہل سنت والجماعت کسے کہتے ہیں؟

عبدالحارث: وہ طریقہ وہ راستہ جو تسلسل سے چلا آ رہا ہو اور اس پر عمل ہو رہا ہو۔

سعید: اہل سنت والجماعت کا مفہوم آپ کو معلوم نہیں۔

عبدالحارث: تو پھر کیا ہے؟

سعید: احادیث میں آتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں (73) تہتر فرقے ہوں گے تمام فرقے جہنم میں جائیں گے صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا صحابہ نے پوچھا وہ کون سا ہے فرقہ جو جنت میں جائے گا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ما انا علیہ واصحابہ یعنی جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں وہ جنت میں جائے گا۔

(عارضہ الاحوذی ج ۵ ص ۷۸)

ہمارے اسلاف نے اہل سنت والجماعت کا مفہوم اسی حدیث سے لیا ہے یعنی ما انا علیہ سے مراد حضور ﷺ کی سنت واصحابہ سے مراد صحابہ کا قول وعمل۔

(دیکھیے شرح عقائد ص ۱۲۴ العقیدۃ الواسطیہ ص ۱۲ غنیۃ الطالبین ص ۱۷۴)

پس اب اہل سنت والجماعت میں وہی لوگ شامل ہوں گے جن کا عمل حضور ﷺ کی سنت اور صحابہ کے عمل کے مطابق ہوگا۔

عبدالحارث: ہم بھی اہل سنت والجماعت میں شامل ہیں اس لیے کہ ہم بھی نبی کی سنتوں کو زندہ کرتے ہیں اور صحابہ نے جو عمل کیا ہے اس پر بھی ہم عمل کرتے ہیں۔

سعید: آپ لوگ جھوٹ مکر وفریب سے کام لیتے ہیں آپ لوگ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں اس لیے کہ تمہارا عمل نہ سنت کے موافق ہے اور نہ صحابہ کے عمل کے موافق اس لیے کہ آپ لوگ بدعتی ہیں۔

(پروفیسر کی آمد)

پروفیسر: تم دونوں کو کیا ہو گیا کیوں آپ لوگوں کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں کوئی پیسے کا معاملہ تو نہیں؟

عبدالحارث: پروفیسر صاحب سعید وہابی ہو گیا۔

سعید: وہابی کسے کہتے ہیں۔

عبدالحارث: جو ہمارا مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرے۔

سعید: پروفیسر صاحب آپ ہمارے علاقہ کے ایک معزز شخص ہو آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگا جب کہیں جلسہ ومیلاد و محفل ہوا کرتی تھی تو آپ بطور مہمان تشریف لاتے تھے اور میں آپ کے ساتھ بطور گارڈ کے ہوا کرتا تھا۔

پروفیسر: یہ بات تو مجھے اچھی طرح معلوم ہے۔

سعید: اصل بات یہ ہے کہ ہم لوگ گمراہی میں مبتلا ہیں کوئی حقیقی دین کو بتانے کے لئے تیار نہیں اور اگر کوئی حقیقی دین کو بیان کر رہا ہو تو ہم لوگ اس کو منع کرتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اس سے محتاط رہنے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ ہمارا دین جو رسومات و بدعات پر مشتمل ہے باقی رہے۔

عبدالحارث: ہمارا دین جو آج موجود ہے کیا یہ دین حضور ﷺ وصحابہ کے دور سے چلا

آ نہیں رہا۔

سعید: پروفیسر صاحب آپ ہمارے درمیان میں ہیں یہ اچھا موقع ہے کہ آپ ہماری گفتگو کو سنیں اور آپ سوچ سمجھ کر فیصلہ کریں کہ کیا یہ دین و مذہب جو عبدالحارث کا ہے حضور ﷺ وصحابہ کرام سلف صالحین کا اختیار شدہ تھا یا نہیں۔ اگر ثابت ہو جائے تو میں بھی اختیار کروں گا ورنہ آپ میرا مذہب اختیار کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔

دلائل سے گفتگو کرنے کی ہدایت کرنا

پروفیسر: کیا آپ لوگ اپنی گفتگو کو دلائل سے بیان کریں گے؟

عبدالحارث: جی ہاں۔

سعید: معتبر کتابوں سے میں گفتگو کروں گا۔

پروفیسر: اعتدال سے اپنی گفتگو کو شروع کرو جس کی بات مضبوط ہوگی میں اس کے حق میں فیصلہ کروں گا۔

حضور ﷺ کا عمامہ کون سا ہوا کرتا تھا

سعید: عبدالحارث ہمارے سامنے اس سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

پروفیسر: آپ کا کیا مطلب ہے؟

سعید: میرا مطلب یہ ہے کہ عبدالحارث کے سر پر جو عمامہ ہے اس سے گفتگو کا آغاز کرتے ہیں۔

پروفیسر: بہت خوب آغاز کرو۔

سعید: یہ سبز عمامہ کیا یہ نبی کی سنت ہے؟

عبدالحارث: جی ہاں یہ نبی کی سنت ہے۔

سعید: حدیث بیان کرو۔

عبدالحارث: مجھے حدیث یاد نہیں لیکن ہمارے علماء کہتے ہیں کہ سبز گنبد خضراء ہے اس لئے اسی رنگ کی پگڑی ہونی چاہئے اس سے مشابہ ہو کر سنت ہو جائے گی۔

سعید: سنت تب ہوتی جب حضور ﷺ اور صحابہ کرام نے اس رنگ کی پگڑی استعمال کی ہوتی۔

عبدالحارث: کیا کوئی رنگ کی پگڑی حضور ﷺ نے استعمال کی ہے؟

سعید: کیا آپ نے ابوداؤد نامی کتاب کا نام سنا ہے؟

عبدالحارث: مجھے تو اچھی طرح معلوم ہے کہ ابوداؤد احادیث کی معتبر کتاب ہے۔ صحاح ستہ میں شامل ہے۔

سعید: حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ان النبی ﷺ دخل عام الفتح مکہ و علیہ عمامۃ سوداء ۔یعنی فتح مکہ کے سال حضور ﷺ نے کالی پگڑی پہنی

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۹)

دوسری روایت۔ عمرو بن حریث عن ابیہ رایت النبی ﷺ علی المنبر وعلیہ سوداء

(ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۹)

یعنی حضور ﷺ منبر پر تشریف فرماتے تھے اور آپ نے کالی پگڑی پہنی۔

عبدالحارث: صرف کالی پگڑی پہنی ہے؟

سعید: آپ نے فتاویٰ حدیثیہ کا نام سنا ہے اور دیکھا ہے؟

عبدالحارث: کیوں نہیں یہ بہترین کتاب ہے ہمارے علماء اس کتاب کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔

سعید: حضرت عائشہؓ کی ایک روایت ہے ان عمامتہ ﷺ کانت فی السفر

بیضاء وفی الحضر سوداء

(ص ۱۳ فتاوی حدیثیہ)

یعنی آپ نے سفر میں سفید اور حضر میں کالی رنگ کی پگڑی استعمال کی ہے۔ اگر ان دونوں کے علاوہ اور کوئی رنگ کی پگڑی استعمال کی ہوتی تو اس کا بھی ذکر آتا۔ تو معلوم ہوا کہ صرف پگڑی کالی یا سفید ہونی چاہئے۔

پروفیسر کا فیصلہ

پروفیسر: واقعی سعید کی بات درست معلوم ہوئی احادیث کی روشنی میں کیونکہ تین روایتیں کتابوں کے حوالے سے بیان کی ہیں۔

سعید: سبز عمامہ پہن کر یہ کہنا کہ یہ نبی کی سنت ہے' سنت ہے یا بدعت ہے۔

پروفیسر: جی ہاں یہ بدعت ہے۔

انگوٹھا چومنے کا مسئلہ

سعید: اذان میں اشھد ان محمد رسول اللہ سن کر انگوٹھے چومنا کیسا ہے؟

عبدالحارث: انگوٹھا چومنا مستحب ہے۔

سعید: آپ کس مذہب کے پیروکار ہیں؟

عبدالحارث: احناف کے۔

سعید: احناف کی تمام فقہی کتب میں باب الاذان ہے کسی ایک کتاب سے ثابت کر دیا کسی مفتی کا فتویٰ نقل کرو۔

عبدالحارث: فقہی کتب میں تو نہیں ہے بلکہ دوسری کتابوں میں اس کا تذکرہ ملتا ہے۔

سعید: حوالے پیش کرو۔

عبدالحارث: امام سخاویؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔ ابی بکر الصدیقؓ لما سمع

قول المؤذن اشهدان محمد رسول الله قال هذا و قبل باطن الانملتين السبابتين و مسح عينيه

(مقاصد الحسنہ ص۲۸۴)

یعنی جب ابوبکرؓ اذان میں اشهدان محمد رسول الله کو سنتے تو اپنے انگوٹھوں کو چومتے تھے اور آنکھوں پر ملتے تھے۔ دوسرا حوالہ مولانا جمال ابن عبداللہ مکی اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں تقبیل الابهامین و ووضع هما علی العینین عند ذکر اسمه علیه السلام فی الاذان جائز ۔ یعنی انگوٹھا چومنا جائز ہے۔ تیسرا حوالہ من قبل ظفری ابهامیه عندسماع اشهدان محمد رسول الله فی الاذان انا قائده و مدخله

(تفسیر روح البیان ج۵ ص۲۱۰)

ان عبارات سے صاف واضح ہو رہا ہے کہ انگوٹھا چومنا جائز ہے۔ یہ مضبوط دلائل ہیں انگوٹھے چومنے پر۔

سعید: پروفیسر صاحب آپ نے عبدالحارث کی گفتگو سنی آپ اس سے پوچھیے یہ کس حدیث سے ثابت ہے انگوٹھے کو چومنا جائز ہے اور اس کو کس امام نے مستحب یا جائز کا فتوی دیا ہے آپ دیکھیے کہ احادیث کی کتابیں بے شمار ہیں ان احادیث کی کتابوں میں محدثین نے باب الاذان قائم کیا ہے لیکن کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں لائے جو انگوٹھے کو چومنا ثابت کریں اسی طرح مسائل اور فتاوی کی کتابیں بھی بے شمار ہیں کسی امام نے یہ مسئلہ یا فتوی نہیں لکھا کہ اشہدان محمد رسول اللہ پر انگوٹھوں کو چومنا جائز ہے۔ اور مستحب ہے کسی نے بھی نہیں لکھا۔ جب ان اماموں نے احایث کی کتابوں اور مسائل و فتاوی کی کتابوں میں انگوٹھے چومنے کا ذکر ہی نہیں کیا تو اس کو اپنی طرف سے مستحب کس طرح قرار دیا جائے۔ بلکہ جو بات صحیح ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جب مؤذن اذان کہے تو اس کا جواب بھی اسی طرح

دو جس طرح مؤذن کہتا ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ وعن عبدالله بن عمر و بن العاص قال قال رسول الله ﷺ اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مایقول

(مشکوۃ ج۱ ص۶۴)

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اذان سنو اسی طرح کہو جس طرح مؤذن کہتا ہے۔ دوسری حدیث میں واضح طور پر جواب کا طریقہ بتلایا ہے۔

وعن عمر قال قال رسول الله ﷺ اذا قال المؤذن الله اکبر۔الله اکبر فقال احدکم الله اکبر الله اکبر ثم قال اشهدان لااله الا الله قال اشهد ان لااله الا الله ثم قال اشهد ان محمدا رسول الله قال اشهد ان محمدا رسول الله ثم قال حیی علی الصلوة قال لا حول ولا قوة الا بالله ثم قال حیی علی الفلاح قال لاحول ولا قوة الا بالله ثم قال الله اکبر الله اکبر قال الله اکبر الله اکبر ثم قال لا اله الا الله قال لا اله الا الله من قلبه دخل الجنة

(مشکوۃ ج۱ ص۶۵)

یعنی مؤذن جس طرح کہے اسی طرح جواب دو صرف حیی علی الصلوة حیی علی الفلاح پر لاحول ولا قوة الا بالله پڑھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اشهدان محمدا رسول الله پر بھی جواب اشهدان محمدا رسول الله کہنا ہے نا کہ صرف ﷺ اور نہ انگوٹھا چومنا جو لوگ اس طرح کرتے ہیں یعنی ﷺ اور انگوٹھے چومتے ہیں اشهدان محمدا رسول الله پر یہ حضرات حدیث کی مخالفت کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ لوگ جو انگوٹھے چومتے ہیں وہ صرف انگوٹھے کو ہی چومتے ہیں اگر ان کو حضور ﷺ سے محبت ہوتی تو حضور ﷺ کے نام نامی کو چومتے نا کہ صرف انگوٹھے کو۔

مدلل جواب

پروفیسر صاحب عبدالحارث نے جو دلائل پیش کیے ہیں اب ان کا جواب سنیے۔

عبدالحارث نے جو عبارت امام سخاویؒ کی کتاب مقاصد الحسنہ کے حوالہ سے نقل کی ہے وہ پوری عبارت نقل نہیں کی بلکہ اصل عبارت اس طرح ہے۔

ابی بکر الصدیقؓ انه لما سمع قول المؤذن اشهدان محمد رسول الله قال هذا و قبل (الی) لا یصح

(مقاصد الحسنہ ص ۲۸۴)

یعنی یہ روایت صحیح نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ نے بھی اپنی کتاب میں بھی اسی عبارت کو نقل کیا اس روایت کے آخر میں لا یصح کا ذکر موجود ہے۔

(دیکھیے موضوعات کبیر ص ۱۰۸)

پروفیسر صاحب کیا عبدالحارث نے اپنے مسلک کو ثابت کرنے کے لئے آدھی عبارت پیش نہیں کی؟ اور اصل عبارت کو چھوڑ دیا کیا یہ انصاف کی بات ہے؟ ان کی دوسری دلیل تفسیر روح البیان کی عبارت سے ہے یہ تفسیر میرے پاس موجود ہے عبدالحارث نے جو عبارت پیش کی ہے اپنا مذہب ثابت کرنے کے لئے وہ اس کو مروڑ مروڑ کر پیش کی ہے اصل عبارت جو اس سے پہلے اور آخر میں ہے اس کو حذف کر دی ہے۔ اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

شیخ اسماعیل البروسی اپنی تفسیر میں اس طرح لکھتے ہیں۔ **وضعف من قبل ظفری ابهامیه (الی)**

(تفسیر روح البیان ج ۵ ص ۴۱۰)

یعنی یہ روایت جو انگوٹھے چومنے کے بارے میں ہے وہ ضعیف روایت ہے اور آخر میں لکھتے

ہیں۔ **لم یثبت فی الحدیث المرفوع**

(روح البیان ج ۵ ص ۴۱۰)

یعنی یہ عمل ثابت نہیں ہے کوئی مرفوع حدیث سے۔ عبدالحارث نے دونوں جگہوں میں بد دیانتی کا مظاہرہ کیا ہے اصل عبارت کے ساتھ اس کو نقل نہیں کیا آگے سنیے۔

ملا علی قاریؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

و کل مایروی فی هذا فلایصح رفعه

(موضوعات کبیر ص ۱۰۸)

یعنی اس باب میں جتنی بھی روایتیں مروی ہیں وہ صحیح مرفوع کے ساتھ مروی نہیں۔

علامہ محمد طاہر حنفی اس بارے میں لکھتے ہیں۔ **و لا یصح**

(تذکرۃ موضوعات ص ۳۶)

یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح علامہ ابن عابدینؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب میں لکھتے ہیں۔

ولم یصح فی المرفوع من کل هذا شی (الی) بالاذان واما فی الاقامة فلم یوجد

(فتاوی شامی ج ۱ ص ۳۹۸)

یعنی اس باب میں جو مذکور ہے وہ صحیح مرفوع روایت سے نہیں ہے نہ اذان میں اور اقامت میں تو بالکل ہی نہیں۔ امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں۔ **الاحادیث التی روایت فی تقبیل الانامل وجعلها علی العینین عند سماع اسمه ﷺ عن المؤذن فی کلمة الشهادة کلها موضوعات**

(تیسیر المقال بحوالہ عماد الدین ص ۱۲۳)

یعنی انگوٹھے چومنے کی جتنی بھی روایات ہیں وہ سب کی سب موضوع اور بے اصل ہے۔ پروفیسر صاحب' امام جلال الدین سیوطی کا فیصلہ سن لیا اب آپ فرمائیں کہ یہ لوگ ضعیف وموضوع و بے اصل روایات کو لے کر اس کو اپنا مذہب بناتے ہیں اور اس پر مواظبت کرتے ہیں اور کرواتے ہیں اور اگر کوئی اس کو چھوڑ دیں تو کفر کا فتوی لگتا ہے اور لعن طعن و برا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں اب اس حالت میں کس پر عمل کیا جائے۔

پروفیسر صاحب کا فیصلہ

پروفیسر: سعید بھائی آپ نے تو بڑی محققانہ انداز سے گفتگو کی ہے۔ میں آپ کے حق میں فیصلہ کرتا ہوں۔ کیونکہ عبدالحارث کا مؤقف مضبوط نہیں اور اس نے دلائل کو ذکر کرنے میں بددیانتی کا مظاہرہ کیا ہے اور وہ بھی روایات ضعیف وموضوع پیش کی ہیں۔

سعید: پروفیسر صاحب یہ لوگ اس کو دین وسنت سمجھتے ہیں۔ کیا یہ بدعت نہیں؟

پروفیسر: واقعی یہ بدعت ہے اس سے بچنا ہی اصل دین ہے۔

دوران گفتگو نماز عصر

عبدالحارث: نماز عصر کا ٹائم ہے نماز کے بعد باقی گفتگو کریں گے۔

پروفیسر: پہلے نماز پڑھتے ہیں۔

بعد نماز مصافحہ و معانقہ کی حقیقت

عبدالحارث: گفتگو کا آغاز کرو۔

سعید: پروفیسر صاحب آپ نے نماز کے بعد کیا منظر دیکھا؟

پروفیسر: کچھ بھی نہیں۔

سعید: نماز کے بعد لوگ ایک دوسرے سے کیا مصافحہ نہیں کر رہے تھے؟ بعض لوگ امام صاحب سے صف بندی کر کے مصافحہ کر رہے تھے اور بعض لوگ علیحدہ علیحدہ طور پر۔

عبدالحارث: اس میں کیا قباحت ہے؟

سعید: نماز کے بعد مصافحہ کرنا کیسا ہے خصوصاً بعد نماز فجر وعصر؟

عبدالحارث: اچھی بات ہے اور سنت بھی ہے۔

سعید: حوالے پیش کرو دلائل کے ساتھ۔

عبدالحارث: بے شمار احادیث موجود ہیں مثلاً

عن البراء بن عازب قال قال رسول الله ﷺ اذا التقا المسلمان فتصافحا

(ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶۱)

دوسری روایت

ما من مسلمين يلتقيان فيتصافحان الا غفر لهما

(ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶۱)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب دو مسلمان ملے تو مصافحہ کرے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ کوئی بھی مسلمان آپس میں ملتے اور مصافحہ کرتے ہیں تو ان کے گناہ بخش دیے جاتے ہیں اور ان کی مغفرت کر دی جاتی ہے۔ حدیث میں تو ترغیب آئی ہے کہ زیادہ سے زیادہ سلام کرو۔ اگر بعد نماز مصافحہ کر لیا تو اس میں کیا خرابی نظر آئی۔

سعید: ہم سلام کے منکر ہیں اور نہ مصافحہ کے منکر ہیں۔ بلکہ تمہارا یہ التزام کرنا کہ ہر نماز میں وخصوصاً فجر وعصر میں یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں اور یہ عمل نہ صحابہ کا رہا ہے اور نہ سلف صالحین کا بلکہ اکابرین نے بعد نماز مصافحہ کو بدعت قرار دیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں

علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں

انه تكره المصافحه بعد اداء الصلوة بكل حال لان الصحابةؓ ما

صافحوا بعد اداء الصلوۃ ولانها من سنن الروافض

(فتاوی شامی ج۶ص۳۸۱)

بعد نماز مصافحہ ہر حال میں مکروہ ہے اس لیے کہ صحابہ مصافحہ نہیں کرتے تھے اور بعد نماز مصافحہ کرنا شیعوں کا طریقہ ہے۔

پروفیسر صاحب کیا یہ عمل جو لوگ کرتے ہیں شیعوں کا طریق نہیں کیا وہ لوگ شیعوں کے پیروکار تو نہیں۔

آگے لکھتے ہیں۔

ثم نقل ابن حجر عن الشافعیه انها بعده مکروهة لا اصل لها فی الشرع (الی) وقال ابن الحاج المالکیه فی المدخل انها من البدع

(شامی ج۶ص۳۸۱)

علامہ ابن حجر نے بعض شوافع سے نقل کیا ہے کہ (مصافحہ بعد نماز) کرنا بدعت ہے اور شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں اور علامہ ابن الحاج مالکی نے اپنی کتاب "المدخل" میں اس کو بدعت قرار دیا ہے۔ اسی طرح ایک اور مقام پر علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں۔

وقد صرح بعض علمائنا وغیرهم بکراهة المصافحة المعتادة عقب الصلوات

(شامی ج۲ص۲۳۵)

ہمارے اور دوسرے بعض علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ نمازوں کے بعد مصافحہ کرنا مکروہ ہے پروفیسر صاحب آپ خود فیصلہ کریں ان عبارات سے آپ کو کیا سمجھ میں آرہا ہے۔

پروفیسر صاحب کا فیصلہ

پروفیسر: واقعی یہ عمل یعنی بعد نماز مصافحہ کرنا بدبخت شیعوں کا عمل ہے اور تمام علماء نے اس کو بدعت قرار دیا ہے اس لیے یہ عمل درست نہیں اس سے بچنا لازم ہے۔

سعید: کیا یہ مصافحہ بعد نماز کرنا سنت ہے یا بدعت؟

پروفیسر: یہ بدعت ہے۔

عبدالحارث کی نماز شیعوں و یہودیوں کے عین مطابق

سعید: پروفیسر صاحب آپ نے عبدالحارث کو نماز پڑھتے دیکھا ہے؟

پروفیسر: کیوں نہیں عبدالحارث نے نماز میرے برابر میں پڑھی ہے اچھی طرح دیکھا ہے۔

سعید: عبدالحارث نے کس کیفیات کے ساتھ نماز پڑھی ہے؟

پروفیسر: جس طرح ہم لوگ نماز پڑھتے ہیں۔

سعید: آپ نے غور سے نہیں دیکھا۔

پروفیسر: کیا عبدالحارث نے کوئی ایسا عمل کرلیا ہے جس سے نماز فاسد ہوگئی؟

سعید: پروفیسر صاحب نہیں بلکہ اس نے جب نماز شروع کی تو اس نے اپنے پاس جو کپڑا تھا وہ کپڑا اپنے اوپر لٹکا کر پھر نماز شروع کی۔

پروفیسر: اس سے کیا ہوتا ہے؟

سعید: اس طرح کا عمل شیعوں کا ہے اور شیعوں نے یہ عمل یہودیوں سے لیا ہے۔

پروفیسر: آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟

سعید: کیا آپ شیخ عبدالقادر جیلانی کو مانتے ہیں؟

پروفیسر: کیوں نہیں۔

سعید: شیخ عبدالقادر جیلانی لکھتے ہیں۔

امام شعبی کے حوالے سے اور یہودی نماز پڑھتے ہوئے اپنے کپڑوں کو لٹکا دیتے ہیں اور

اسی طرح رافضی (شیعہ) بھی اپنے کپڑے لٹکاتے ہیں۔

(دیکھیے غنیۃ الطالبین ص ۱۹۱)

آپ اب بتلائیے کہ یہ عمل کس کا ہے؟

پروفیسر کا فیصلہ

پروفیسر: واقعی یہ عمل ان بدبختوں کا ہے اس عمل سے اجتناب بے حد ضروری ہے۔

قبروں پر اذان کا مسئلہ

سعید: قبر پر اذان دینا کیسا ہے؟

عبدالحارث: مستحب ہے۔

سعید: کوئی دلیل بھی ہے؟

عبدالحارث کیوں نہیں حدیث میں آتا ہے۔

وعن ابی سعید الخدری ؓ عن النبی ﷺ قال لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ

(ترمذی ج ۱ ص ۱۱۷)

اس حدیث سے دو احکام معلوم ہوئے ہیں۔

(۱) جب انسان مرنے لگے تو اس کو تلقین کلمہ کرو۔

(۲) جب انسان مرجائے تو دفن میت کے بعد کلمہ کی تلقین کرو۔

کلمہ کی تلقین مستحب ہے تاکہ مردہ منکر نکیر کے سوالات کے جوابات میں کامیاب ہوجائے۔ چونکہ اذان میں بھی کلمہ ہے اس لیے اذان بھی تلقین میت ہے اور یہ مستحب ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اذان کے سات فائدے ہیں اگر قبر پر اذان دی جائے تو مردہ کو سات فائدے حاصل ہوسکتے ہیں۔

(۱) میت کو تلقین کریں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ منکر نکیر کے سوالات کے جوابات دے سکے۔

(۲) اذان سے شیطان بھاگتا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ قبر میں شیطان نہیں آئے گا۔

(۳) اذان وحشت کو دور کرتی ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ جب اذان سے وحشت دور ہوگی تو سوال کا جواب صحیح دے گا۔

(۴) اذان سے غم دور ہوتا ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ مردے کے دل پر جو صدمہ ہوگا وہ دور ہوجائے گا اور اس کو راحت حاصل ہوگی۔

(۵) اذان سے آگ بجھتی ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر قبر میں آگ لگی ہو تو وہ بجھ جائے گی۔

(۶) اذان ذکر اللہ ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ ذکر سے عذاب دور ہوتا ہے۔

(۷) اذان میں حضور ﷺ کا ذکر ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

اگر ہماری اس اذان سے میت کو سات فائدے حاصل ہوجائے تو اس میں کیا قباحت ہے؟

سعید: پروفیسر صاحب قبر پر اذان کو ثابت کرنے کے لیے عبدالحارث نے اجتہاد اور اپنی رائے سے کام لیا ہے "لقنوا موتاکم" والی حدیث سے قبر پر اذان کو ثابت کرنا کیسی بدبختی ہے اس حدیث سے صرف یہ ثابت ہے کہ جب انسان مرنے لگے اور سکرات میں ہو تو اس کو صرف کلمہ کی تلقین کرو۔

وہ تلقین کلمہ اول ہے جیسا کہ فتاویٰ شامی میں ہے اور دوسری کتابوں میں موجود ہے۔

یہ کہیں لکھا ہوا نہیں ہے کہ تلقین سے مراد اذان ہے جو قبر پر دی جائے۔

اب ہم ان سے سوال کرتے ہیں آپ نے جو فرمایا کہ کلمہ کی تلقین کرو کلمہ تلقین کیا چیز ہے اذان ہے یا اور کچھ؟

اگر اذان ہے تو پھر آپ نے جو دو معنی بتلائے ہیں حدیث لقنوا موتاکم سے ایک یہ

کہ جب انسان مرنے لگے تو کلمہ کی تلقین کرو۔

آپ سے اعتراض یہ ہے کہ جب انسان مرنے کے قریب ہوتا ہے اس وقت اذان کیوں نہیں دیتے اس وقت آپ کو اذان یاد نہیں رہتی۔

جب انسان مرجاتا ہے اور دفن کے وقت اس کی قبر پر اذان دینا شروع کردیتے ہو۔

اس وقت دوسرا معنی فوراً یاد آجاتا ہے اور پہلا معنی بھول جاتے ہو۔

یہ ان کا بیہودہ کلام ہے۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

تلقین کیا چیز ہے موت کے وقت کس چیز کی تلقین ہونی چاہیے اور موت کے بعد کس چیز کی تلقین کرنی چاہیے۔

ملاحظہ فرمائیں!

آپ پہلی بات کو لیجیے یعنی موت کے وقت کس چیز کی تلقین ہونی چاہیے وہ کیا ہے؟

علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں

ولقن الشهادتين لقوله ﷺ لقنوا موتاكم شهادة ان لااله الا الله

(ہدایہ ج۱ ص۱۷۸)

یعنی تلقین شہادتین اور وہ لااله الا الله ہے

علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں۔

ولقن الشهادتين لا اله الا الله محمد رسول الله (شامی ج۲ ص۱۹۰)

تلقین کلمہ طیبہ ہے لا اله الا الله محمد رسول الله

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں

ويلقن كلمة الشهادة لقول النبى ﷺ لقنوا موتاكم لا اله الا الله

(بدائع الصنائع ج۱ ص۲۹۹)

یعنی وہ تلقین کلمہ ہے۔

صاحب قدوری لکھتے ہیں

ولقن الشهادة (قدوری ص۳۳)

تلقین کلمہ ہے

ان عبارات سے تلقین کا معنی کلمہ طیبہ ثابت ہوا۔

اب دوسرا معنی لیتے ہیں یعنی بعد موت تلقین

اس میں دو چیزیں ہیں۔

پہلی چیز تلقین نہیں ہے دوسری چیز تلقین ہے اور وہ کیا ہے پہلی شق کو لیتے ہیں۔

موت کے بعد اور دفن کے بعد تلقین نہیں ہے۔

ولا يلقن بعد تلحيده (شامی ج۲ ص۱۹۱)

اسی طرح المفصل احکام المراۃ نامی کتاب میں ہے کہ

ولا يلقن بعد تلحيده الى بعد موته ولا دفنه

(المفصل احکام المراۃ ج۱۱ ص۱۰)

یعنی نہ موت کے بعد تلقین ہے اور نہ دفن کے بعد۔

اب دوسری چیز کو لیتے ہیں۔

تلقین ہے اور وہ کیا ہے۔

علامہ ابن عابدین تلقین بعد الدفن کو وضاحت کے ساتھ لکھتے ہیں۔

وقد روى عنه عليه الصلوٰة والسلام انه امر بالتلقين بعد الدفن فيقول يا فلان بن فلان اذكر دينك الذى كنت عليه من شهادة ان لا اله الا الله وان محمد رسول الله وان الجنة حق والنار حق و ان البعث حق وان

الساعة آتية لا ريب فيها و ان الله يبعث من فی القبور انک رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا وبمحمد ﷺ نبيا و بالقرآن اماما و بالكعبة قبلة و بالمؤمنين اخوانا

(شامی ج۲ص۱۹۱)

یعنی دفن کے بعد اس کو اپنے دین کو یاد کرانا چاہیے کہ اے فلان ابن فلان اپنا دین یاد کر جس پر تو تھا وہ یہ ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور جنت حق ہے اور جہنم حق ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا حق ہے اور قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں بیشک اللہ تعالیٰ قبروں میں ہے ان کو اٹھائے گا میں راضی ہوں کہ میرا رب اللہ ہے اور اسلام میرا دین ہے اور حضرت محمد ﷺ ہمارے نبی ہیں اور قرآن امام ہے اور کعبہ قبلہ ہے اور مومنین بھائی ہے۔

پروفیسر صاحب آپ نے دیکھ لیا کہ تلقین کیا چیز ہے؟

عبدالحارث نے اپنی رائے سے اذان کو ثابت کیا ہے حالانکہ حضور ﷺ نے تلقین کی وضاحت فرما دی ہے۔

اب وہ لوگ اصل روایت کو چھوڑ کر غلط سلط معنی بیان کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں کیا یہ زیادتی نہیں۔

انہوں نے کتنی لمبی چوڑی تاویلیں کر کے اذان کو ثابت کرنے میں ناکام کوششیں کی ہیں۔

اگر وہ لوگ اپنے آپ کو نہ تھکاتے اور اس روایت کو لے لیتے تو ان کے لیے ہی اچھا تھا لیکن اللہ نے ان کے مقدر میں گمراہی لکھ دی ہے اور پھر کون ان کو ہدایت دے سکتا ہے۔

انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء اب آیئے اس حدیث کی طرف جس

سے قبر پر اذان ثابت کیا ہے۔

وہ یہ ہے

لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ

اس حدیث سے عبدالحارث نے دو احکام بیان کیے ہیں۔ ایک تو جب انسان مرنے کے قریب ہو تو اس کو کلمہ کی تلقین کرو۔

دوسرا یہ ہے کہ جب انسان مر جائے اور دفن ہو جانے کے بعد تلقین کرو۔

اب ہم اس حدیث کی تحقیق کرتے ہیں کہ واقعی علماء نے یہ ہی دو احکام مستنبط کیے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اذان کو بھی ثابت کیا ہے یا نہیں!

ملاحظہ فرمائیں

امام نوویؒ لکھتے ہیں

لقنوا موتاکم لا الہ الا اللہ معناہ من حضرھم الموت والمراد ذکروہ لا الہ الا اللہ

(شرح مسلم ج۱ص۳۰۰)

یعنی لقنوا موتاکم کا معنی جو موت کے قریب ہو اور تو اس کو یاد کراؤ اور وہ لا الہ الا اللہ ہے۔

دیکھیے امام نوویؒ نے صرف پہلا معنی مراد لیا ہے وہ یہ ہے کہ جب انسان موت کے قریب ہو اس کو کلمہ کی تلقین کرو وہ لا الــــہ الا اللہ ہے نہ کہ اذان جیسا کہ عبدالحارث نے اجتہاد کیا ہے انہوں نے کیوں اس حدیث سے اذان کو اجتہاد سے ثابت نہیں کیا۔

امام ترمذیؒ کے نزدیک بھی پہلا معنی مراد ہے جس پر انہوں نے باب باندھا ہے اور مذکورہ حدیث نقل کی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں

باب ما جاء فی تلقین المریض عند الموت والدعا له

وعن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال لقنوا موتاکم لا اله الا الله

(ترمذی ج ۱ ص ۱۱۷)

یعنی یہ باب ہے مریض کو موت کے وقت تلقین کرنے اور اس کے لیے دعا کرنے کے متعلق۔ اور پھر مذکورہ حدیث کو ذکر کیا ہے۔ امام ترمذیؒ کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جب انسان موت کے قریب ہو تو اس کو تلقین کرو۔

یہ معنی نہیں لیا کہ دفن کے بعد اذان دو۔

امام ترمذیؒ آگے لکھتے ہیں:

وقد کان یستحب ان یلقن المریض عندالموت قول لا اله الا الله

(ترمذی ج ۱ ص ۱۱۷)

یعنی موت کے وقت مریض کو تلقین کرنا مستحب ہے وہ بھی لا اله الا الله سے

امام ترمذیؒ نے تلقین کا معنی بھی بتلا دیا اور اس کو بھی بتلا دیا کہ کس چیز کی تلقین کرنی چاہیے۔

علامہ سید علی بن سلیمانؒ لکھتے ہیں۔

لقنوا موتاکم ای من حضرهم موت

(قوت المغتذی حاشیہ ترمذی ج ۱ ص ۱۱۷)

صاحب مشکوٰۃ نے بھی باب باندھا ہے

باب ما یقال عند من حضره الموت اور پھر مذکورہ حدیث کو نقل کیا ہے

(دیکھیے مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۰)

اور پھر مشکوٰۃ کے حاشیہ پر اس حدیث کا معنی ذکر کیا ہے

ملاحظہ فرمائیں

لقنوا موتاکم ای اذکروا من حضره الموت منکم بکلمة التوحید او بکلمتی الشهادة

(حاشیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۰)

اور آگے طیبی کے حوالے سے لکھتے ہیں

ای من قرب منکم من الموت (حاشیہ مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۰)

شرح ابوداؤد میں ہے

لقنوا موتاکم المراد من حضرة الموت لا من مات

(عون المعبود ج ۸ ص ۳۸۶)

یعنی موت کے وقت تلقین کرو موت کے بعد نہیں۔

اس عبارت سے صاف واضح ہو گیا کہ موت کے بعد تلقین ہی نہیں

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ مذکورہ حدیث کی تشریح اس طرح کرتے ہیں۔

لقنوا موتاکم لا اله الا الله و معناه ان من حضرة الموت منکم ذکروه کلمة التوحید فلیس المراد بلکمة "موتاکم" الذین ماتوا فعلاً وانما المقصود من حضرهم الموت الی المحتضرون

(المفصل احکام المرۃ ج ۱۱ ص ۸ بحوالہ شرح البخاری عسقلانی)

علامہ کاسانی حنفیؒ لکھتے ہیں

لقنوا موتاکم لا اله الا الله والمراد من المیت المحتضر لانه قرب موته فسمی میتا لقربه من الموت

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۲۹۹)

علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں

لقنوا موتاکم شهادة ان لا اله الا الله والمراد الذی قرب من الموت

(ہدایہ ج اص ۱۷۸)

تمام علماء نے لقنوا موتاکم کا معنی من قرب موته یا من حضره الموت سے کیا ہے۔

ایک حدیث میں تو خود عند الموت کا ذکر موجود ہے۔

لقنوا موتاکم لا اله الا الله فانه من کان آخر کلاه لا اله الا الله عندا لموت دخل الجنة

(کنز العمال ج ۲۰ ص ۹۹)

یعنی موت کے وقت جس کا آخر کلام کلمہ طیبہ ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ

وعن معقل بن یسار قال قال رسول الله ﷺ اقراؤ یٰس علی موتاکم

(مشکوٰۃ ج اص ۱۴۱)

مشکوٰۃ کے حاشیہ پر اس کا معنی نقل کیا ہے

ان المراد المحتضر (ایضا)

یعنی موت کے قریب ہو

جیسا کہ قرآن میں آتا ہے

ام کنتم شهداء اذ حضر یعقوب الموت (القرآن سورۃ بقرہ)

کیا تم حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی موت کے وقت موجود تھے۔

یہ ہے لقنوا موتاکم کا معنی ومفہوم۔

پروفیسر صاحب مجھے یہ بتلائیں کہ حضور ﷺ کے زمانے میں جو وفات پاتے تو ان کے

لیے اذان کیوں نہیں دی گئی اور حضور ﷺ نماز جنازہ کے بعد مردے کو دفن کر کے سورۃ بقرۃ کا ابتدائی اور آخری حصہ پڑھتے تھے اور اس کی تلقین بھی کی۔

اور حضور ﷺ نے قبر پر دعا بھی کی ہے اور اس کی تلقین بھی کی ہے۔

یہ سب احادیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

لیکن اگر حضور ﷺ کے زمانے میں ایک قبر پر بھی اذان دی گئی ہوتی تو ہم اس کو تسلیم کرتے۔

لیکن نہ قبر پر اذان کا ثبوت حضور ﷺ سے ہے اور نہ صحابہ وتابعین وتبع تابعین سے ثبوت ہے۔

بلکہ یہ بعد کی ایجاد ہے اس کو کیسے مستحب کہا جائے۔

عبد الحارث نے قبر پر اذان کو مستحب کہا یہ تب ہوتی جب کہ حضور ﷺ نے کبھی کیا ہو اور کبھی ترک کیا ہو مستحب کسے کہتے ہیں اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

وهو ما فعله النبی ﷺ مرة و ترکه آخری وما احبه السلف

(شامی ج اص ۱۲۷)

حضور ﷺ سے اذان القبر ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں اس کو کیسے مستحب کہا جائے کیا یہ زیادتی نہیں؟

قبر پر کیا چیز ثابت ہے اس کو سنیے۔

ویکره عند القبر مالم یعهد من السنة والمعهود منها لیس الا زیارته والدعاء عنده قائماً

(عالمگیری ج اص ۶۶ او شامی ج ۲۲ ص ۲۴۸)

یعنی ہر وہ چیز قبر کے پاس مکروہ ہے جو سنت سے ثابت نہ ہو سنت سے صرف ثابت

قبروں کی زیارت ہے اور ان کے پاس کھڑے ہو کر دعا کرنا ہے۔

دیکھا اگر اذان القبر ثابت ہوتی تو اس کو بھی ذکر کرتے تو معلوم ہوا کہ اذان القبر سنت اور مستحب ہونا ثابت نہیں۔

علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں۔

لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الان

(شامی ج ۲ ص ۲۳۵)

یعنی قبر پر اذان دینا سنت نہیں جیسا کہ آج کل بعض (بدعتی) لوگوں نے اس کو عادت بنادی ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ نے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کا فتویٰ نقل کیا ہے۔

وقد صرح ابن حجر فی فتاویہ بانہ بدعۃ

(شامی ج ۲ ص ۲۳۵)

یعنی قبر پر اذان دینا بدعت ہے۔

پروفیسر صاحب عبدالحارث نے جو اذان کے فوائد ذکر کیے ہیں اور اس کا محل جو بتلایا ہے یعنی قبر وہ محل نہیں۔ اگر یہ محل ہوتا تو حضور ﷺ وصحابہ وسلف صالحین اس کو کرتے جب نہیں کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے اور یہ بعد کی پیداوار ہے پروفیسر صاحب آپ کیا فیصلہ کریں گے؟

پروفیسر صاحب کا فیصلہ

پروفیسر: سعید بھائی آپ نے تو کمال کر دیا اور آپ نے مضبوط دلائل پیش کیے اگر آپ لوگ ان چیزوں کو پہلے سے آگاہ کرتے تو کیا ہی اچھا ہوتا اور میں یہ ہی کہوں گا کہ اذان القبر بعد کی پیداوار ہے اگر یہ مستحب ہوتی تو ضرور حضور ﷺ اور صحابہ وسلف صالحین

اس کو کرتے اس عمل کو نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بدعت ہے۔

سعید: کیا اس کو دین سمجھنا اور مستحب کہنا یہ زیادتی نہیں؟

پروفیسر: واقعی یہ زیادتی وبدعت ہے اس سے اجتناب بے حد ضروری ہے۔

نماز جنازہ کے بعد دعا کا مسئلہ

سعید: نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا کیسا ہے؟

عبدالحارث: جائز ہے بلکہ افضل ہے۔

سعید: کیسے افضل ہے؟

عبدالحارث: حدیث میں آتا ہے۔

قیل یا رسول اللہ ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل الآخر و دبر الصلوات المکتوبات (مشکوٰۃ)

یعنی سب سے زیادہ دعا قبول رات کے آخری حصہ میں اور فرض نمازوں کے بعد ہوتی ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ

الدعا ھی العبادۃ (ابوداؤد ج ا ص ۲۱۵)

یعنی دعا ہی اصل عبادت ہے۔

اسی طرح ایک اور حدیث میں آیا ہے۔

الدعاء مخ العبادۃ (مشکوٰۃ)

ان احادیث سے دعا کرنا معلوم ہوتا ہے۔

سعید: ان احادیث میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا چاہیے اگر کوئی نص صریح موجود ہو تو بیان کرو۔

عبدالحارث: کیوں نہیں بے شمار احادیث اس بارے میں موجود ہیں۔

وعن ابی هريرة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۰)

یعنی جب تم جنازہ کی نماز پڑھ لو تو پھر اس کے لیے اخلاص سے دعا کرو۔

اسی طرح بیہقی کی روایت ہے۔

وعن المستظل ابن حصين ان عليا صلى على جنازة بعد ما صلى عليه.

حضرت علی نے نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا کی۔

اسی طرح نماز جنازہ کے بعد ایک دعا منقول ہے۔

وہ یہ ہے۔

اللهم لا تحرمنا اجره ولا تفتنا بعده واغفرلنا وله

ان تمام احادیث سے دعا ثابت ہے۔

اس لیے ہم لوگ نماز جنازہ کے بعد دعا کرتے ہیں۔

سعید: پروفیسر صاحب ہر دور میں انسان مرتے تھے اور نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی یہ انوکھا و چیدہ چیدہ مسئلہ نہیں کہ انسان کا مرنا ایک عرصہ کے بعد ہوتا ہو بلکہ آنحضرت ﷺ صحابہ وسلف صالحین کے دور میں بھی انسان مرتے تھے اور جنازہ کی نماز پڑھی جاتی تھی اور پڑھائی جاتی تھی مگر کسی سے یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے نماز جنازہ سے فارغ ہونے کے بعد فوراً اجتماعی دعا مانگی ہو۔

پروفیسر صاحب فقہ کی بے شمار کتابیں ہیں ہر دور کے مختلف مذاہب کے علماء نے فقہ پر کتابیں لکھیں۔

انہوں نے اپنی اپنی کتابوں میں کتاب الجنائز کو مفصل وتفسیر کے ساتھ لکھا ہے اور ہر مسئلہ کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔

اگر نماز جنازہ کے بعد دعا کا ثبوت ہوتا تو کوئی ایک عالم اس کو ذکر کرتے۔ بلکہ ہم نے کتابوں کا مطالعہ کیا تو ہم نے یہ پایا کہ تمام علماء نے اپنی اپنی فقہی وفتاویٰ کی کتابوں میں اس کو ناجائز اور بدعت قرار دیا ہے۔

عبدالحارث نے نماز جنازہ کے بعد کی دعا کے لیے جو حدیث پیش کی ہے وہ اس کو اچھی طرح سمجھ نہ سکا اور اپنی رائے سے اس کو ثابت کیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو تمام علماء اپنی کتابوں میں اس کو جگہ دیتے اور اس کو اپنا مسلک بناتے اور یہ لکھتے کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا حدیث سے ثابت ہے اس لیے دعا کرنا چاہیے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

بلکہ میت کے لیے دعا کرنا نماز جنازہ کے اندر ہی ہے نہ کہ بعد میں۔

اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء

اس حدیث میں جو دعا کرنے کا ذکر کیا ہے وہ نماز کے اندر ہی کرنا ہے جیسا ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کے ضمن میں علامہ ابن حجرؒ کا قول نقل کیا ہے۔

وقال ابن حجر الدعاء للميت بخصوصه بعد التكبير الثالثة ركن

(مرقات ج ۴ ص ۵۹)

یعنی میت کے لیے دعا کرنا خصوصی طور پر وہ تیسری تکبیر کے بعد ہی ہے۔ (نہ کہ نماز جنازہ کے بعد)

اس طرح عبدالحارث نے جو یہ کہا کہ نماز جنازہ کے بعد ایک دعا منقول ہے وہ نماز جنازہ کے بعد نہیں ہے بلکہ وہ نماز کے اندر ہی حضور ﷺ سے پڑھنا ثابت ہے۔

ملاحظہ فرمائیں

وعن ابی ہریرة قال ﷺ علی الجنازة فقال اللهم اغفر لحینا و میتنا و صغیرنا و کبیرنا و ذکرنا وانثانا وشاهدنا و غائبنا اللهم من احییته منا فاحییه علی الایمان ومن توفیته منا فتوفه علی الاسلام اللهم لا تحرمنا اجره و لا تضلنا بعده

(ابوداود ج ۲ ص ۱۰۰)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللھم لا تحرمنا اجرہ نماز کے اندر ہی پڑھنا ثابت ہے نہ کہ نماز کے بعد اب علماء کے فتویٰ جات نقل کیے جاتے ہیں کہ انہوں نے نماز جنازہ کے بعد دعا کو پڑھنا جائز کہا ہے یا ناجائز۔

علامہ ابن نجیم حنفیؒ کا فتویٰ

لانه لا یدعوا بعد التسلیم (بحرالرائق ج ۲ ص ۱۸۳)

یعنی سلام کے بعد دعا نہیں ہے

علامہ علی بن عثمان سراج الدینؒ کا فتویٰ

اذا فرغ من الصلوٰة لا یقوم بالدعاء (فتاویٰ سراجیہ ص ۲۳)

جب نماز سے فارغ ہوجائے تو دعا کے لیے مت کھڑے ہوں۔

علامہ طاہر البخاریؒ کا فتویٰ

لایقوم بالدعاء بعد صلوٰة الجنازة (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۲۵)

نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے مت کھڑے ہوں۔

امام ابوبکر بن حامدؒ کا فتویٰ

ان الدعاء بعد صلوٰة الجنازة مکروه (فوائد ج ۱ ص ۱۵۲)

نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا مکروہ ہے۔

ملاعلی قاریؒ لکھتے ہیں۔

ولا یدعوا للمیت بعد الجنازة لانه یشبه الزیادة فی صلوٰة الجنازة

(مرقات ج ۲ ص ۳۱۹)

نماز جنازہ کے بعد میت کے لیے دعا نہ کریں کیونکہ نماز جنازہ میں زیادتی کے مشابہ ہے۔

ولا یقوم داعیا له (جامع الرموز ۱ ص ۱۷۴)

میت کے لیے دعا کے واسطے کھڑے نہ ہوں۔

علامہ عبدالحی لکھنویؒ کا فتوی

بعد نماز جنازہ کے دعا کرنا مکروہ ہے (نفع المفتی ص ۴۱۰)

اسی طرح عالمگیری کے حاشیہ پر ہے

لا یقوم بالدعاء بعد صلوٰة الجنائز

(ہامش عالمگیری ج ۴ ص ۸۰)

نماز جنازہ کے بعد دعا کے لیے کھڑے نہ ہوں۔

پروفیسر صاحب آپ نے دیکھا کہ تمام علماء نے نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے اور اس کو مکروہ جانا ہے۔ اور جو اس کو جائز قرار دیں بلکہ اس کو ترک کرنے پر لعن طعن کریں اس کے بارے میں آپ کیا فیصلہ کریں گے۔

پروفیسر صاحب کا فیصلہ

پروفیسر: سعید بھائی آپ نے تو حقیقت کو واضح کردیا آپ نے جو دلائل پیش کیے ہیں میں اس کو تسلیم کرتا ہوں اور میں یہی کہوں گا نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا بدعت ہے اور ناجائز ہے کیونکہ تمام علماء اس بات پر متفق ہیں دعا کرنا مکروہ اور ناجائز ہے۔

سعید: پروفیسر صاحب جو اس کو لازم سمجھے اور اس کو ترک کرنے والے پر لعن طعن کرے تو اس صورت میں آپ کیا فرمائیں گے؟

پروفیسر: وہ گمراہ ہے حقیقی دین سے ناواقف ہے۔

قبروں کو پختہ کرنے کا مسئلہ

سعید: قبروں کو پختہ کرنا آپ کے نزدیک کیا ہے؟

عبدالحارث: مستحب ہے۔

سعید: اس پر آپ کے پاس کوئی دلیل بھی ہے۔

عبدالحارث: کیوں نہیں بے شمار دلائل قرآن وحدیث سے پیش کروں گا۔

قرآن مجید میں آیا ہے۔

قال الذین غلبوا علی امرھم لنتخذن علیھم مسجداً (القرآن سورۃ کہف)

جن لوگوں نے ان کے بارے میں غلبہ پایا وہ کہنے لگے (اصحاب کہف کی قبر پر) ہم تو ان کے اوپر مسجد بنالیں گے۔

شیخ اسماعیل البروسویؒ نے بنیانا کے تحت لکھا ہے

لا یعلم احد تربتھم و تکون محفوظۃ من تطرق الناس کما حفظت تربت رسول اللہ بالحظیرۃ (روح البیان ج ۵ ص ۲۳۲)

انہوں نے کہا کہ اصحاب کہف پر ایسی دیوار بناؤ جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ رہیں۔

بخاری کی روایت ہے

ولما مات الحسن بن الحسن بن علی ضربت امراتہ القبۃ علی قبرہ سنۃ

(بخاری ج ۱ ص ۱۷۷)

اور جب حسن بن حسن بن علی کا انتقال ہوا تو اس کی بیوی نے اس کی قبر پر ایک قبہ ایک سال تک رکھا۔

علامہ اسماعیل البروسویؒ لکھتے ہیں۔

فبناء قباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء امر جائز

(روح البیان ج ۳ ص ۴۰۰)

یعنی علماء اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز ہے۔

اسی طرح ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ

قد اباح السلف البناء علی قبور المشائخ والعلماء المشھورین

(مرقات ج ۴ ص ۶۹)

یعنی پہلے کے علماء نے مشائخ والعلماء کی قبروں پر عمارت کو مباح قرار دیا ہے۔

علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں۔

قیل لایکرہ البناء اذا کان المیت من المشائخ والعلماء والسادات

(شامی ج ۲ ص ۳۳۷)

یعنی مشائخ والعلماء کی قبروں پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔

ان مضبوط دلائل سے معلوم ہوا کہ قبروں کو پختہ کرنا جائز ہے۔

سعید: پروفیسر صاحب اس نے جو دلائل پیش کیے ہیں ان کے جوابات اور پھر میں جو دلائل پیش کروں گا اس کو سماعت فرمائیں۔

ان کی سب سے پہلی دلیل

لنتخذن علیھم مسجدا ہے کئی وجوہ سے یہ دلیل باطل ہے۔

(۱) ایک گروہ نے کہا کہ ہم ان پر مسجد بنائیں گے قرآن نے صرف ان کا قول ذکر کیا

ہے قرآن نے تو یہ نہیں کہا کہ واقعی انہوں نے مسجد بنائی بلکہ قرآن اس بارے میں خاموش ہے کہ انہوں نے کیا بنایا کیا نہیں بنایا۔ اس کو دلیل بنانا درست نہیں۔

(۲) چلو مانتے ہیں کہ انہوں نے مسجد بنائی ہوگی تب بھی اس کو دلیل بنانا درست نہیں کیونکہ اگر مسجد بھی بنائی ہوگی تو غار کے آس پاس بنائی ہوگی یا غار کے ایک طرف۔ تو غار کے پاس مسجد بنانا اور قبروں کا پختہ کرنا ان دونوں میں واضح فرق ہے، اس سے قبروں کو پختہ کرنا کہاں ثابت ہوا۔

(۳) آیا ان کا یہ کہنا کہ ہم ان پر مسجد بنائیں گے درست تھا یا نہیں۔ بظاہر ان کا کہنا نصوص کے خلاف ہے۔

اس کو امام ابن کثیرؒ کی زبانی سنیے۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ ان کا یہ کہنا اچھا تھا یا برا تو اس بارے میں صاف حدیث موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور اولیاء کی قبروں پر مسجدیں بنالیں جو انہوں نے کیا اس سے آپ اپنی امت کو بچانا چاہتے تھے۔

(تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۳۶۱)

(۴) تم قبروں کو پختہ تب کرتے ہو جب تم مردے کو قبر میں دفن کرتے ہو اور تم کو یقین ہوتا ہے کہ یہ مر چکا ہے لیکن اگر کوئی سویا ہوا ہو یا بے ہوش ہو تو اس وقت تم نہ اس کو دفن کرتے ہو اور نہ کوئی عمارت کا نام ونشان ہوتا ہے۔

اس کے برعکس تم جو دلیل اصحاب کہف کی بنائی ان کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ مر چکے ہیں یا زندہ ہیں یا سوئے ہوئے ہیں اس کو ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں۔

اذ یتنازعون بینهم امرهم من الموت والحیاة

(روح المعانی ج۵ ص۲۳۵)

جب وہ آپس میں اختلاف کر رہے تھے (ان کی) موت اور حیات کے بارے میں

فقال بعضهم اموات و بعضهم احیاء

(الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ج۳ ص۵۰۷)

بعض کہتے ہیں کہ اصحاب کہف مر چکے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ زندہ ہیں۔

ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں

هل ماتوا او ناموا کما اول مرة

(روح المعانی ج۵ ص۲۳۵)

کیا وہ مر چکے ہیں یا سوئے ہوئے ہیں جیسے پہلے تھے

آگے لکھتے

وعن الحسن انه اتخذ لیصلی فیه اصحاب الکهف اذا استیقظوا وهذا مبنی علی انهم لم یموتوا بل ناموا کما ناموا اولا والیه ذهب بعضهم بل قیل لایموتون متی یظهر المهدی ویکونوا من انصاره

(روح المعانی ج۵ ص۲۳۸)

حضرت حسن سے مروی ہے کہ جب اصحاب کہف اٹھیں گے تو اس مسجد میں نماز پڑھیں گے یہی وجہ ہے کہ وہ مرے نہیں ہیں بلکہ وہ سوئے ہیں اور بعض علماء اس طرف گئے ہیں بلکہ یہاں تک کہا کہ وہ مرے نہیں جب امام مہدی آئیں گے تو یہ ہی اصحاب کہف ان کے

مددگار ہوں گے۔

(۵) ایک روایت اصحاب کہف کے بارے میں یہ ہے کہ وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں وہ کن حالات وکیفیات کے ساتھ ہیں اس کے بارے میں کسی کو خبر نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں

جب ان میں سے ایک صاحب دام لے کر سودا خریدنے کو غار سے باہر نکلے تو دیکھا کہ ان کی دیکھی ہوئی ایک چیز نہیں سارا نقشہ بدلا ہوا ہے۔

آگے لکھتے ہیں

آخر خیال کرنے لگا کہ شاید میں مجنون ہو گیا ہوں یا میرے حواس ٹھکانے نہیں رہے یا مجھے کوئی مرض لگ گیا ہے یا میں خواب میں ہوں۔

آگے لکھتے ہیں

اس لیے ارادہ کر لیا کہ مجھے سودا لے کر اس شہر کو جلد چھوڑ دینا چاہیے ایک دکان پر جا کر اسے دام دیے اور سودا کھانے پینے کا طلب کیا۔ اس نے اس سکے کو دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا اپنے پڑوسی کو دیا کہ دیکھنا یہ سکہ کیسا ہے کب کا ہے کس زمانے کا ہے اس نے دوسرے کو دیا اس سے کسی اور نے مانگ لیا الغرض

آگے لکھتے ہیں

آخر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا اس سے سوالات ہوئے اس نے تمام حال کہہ سنایا اب ایک طرف بادشاہ اور دوسرے سب لوگ متحیر ایک طرف سے ششدر وحیران آخر سب لوگ ان کے ساتھ ہوئے اچھا ہمیں اور اپنے ساتھی دکھاؤ اور اپنا غار بھی دکھاؤ یہ لے کر چلے غار کے پاس پہنچ کر کہا کہ تم ذرا ٹھہرو میں پہلے انہیں جا کر خبر کر دوں ان کے الگ ہٹتے ہی

اللہ تعالیٰ نے ان پر بے خبری کے پردے ڈال دیے انہیں نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کہاں گئے اللہ نے پھر اس راز کو مخفی رکھا۔

(تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۲۶۱)

اس طرح ایک روایت جلالین کے حاشیہ پر بھی ہے

فبعث اللہ اصحاب الکہف فارسلوا واحد منہم یاتیہم بما یاکلون فدخل المدینۃ مستخفیا فرای ہیئۃ وناسا انکرہم لطول المدۃ فدفع درہما الی خباز فاستنکر ضربہ وہم بان یرفعہ الی الملک فقال تخوفنی وانی دہقانہ فقال من ابوک قال فلان فلم یعرفہ ما جتمع الناس فرفعوہ الی الملک فسالہ فقال علی باللوح وکان قد یسمع بہ فسمی اصحابہ فعرفہم من اللوح فکر الناس وانطلقوا الی الکہف و سبق الفتی لئلا یخافوا من الجیش فلما دخل علیہم عمی اللہ علی الملک ومن معہ المکان فلم یدر این ذہب الفتی

(حاشیہ جلالین ص۲۴۳)

یعنی بادشاہ اور لوگ اس نوجوان کے ساتھ غار کے پاس پہنچے تو نوجوان نے کہا کہ میں پہلے داخل ہوتا ہوں تاکہ وہ لوگوں سے نہ ڈرے جب وہ نوجوان داخل ہوا تو اللہ نے ان پر مخفی کر دیا مکان کو کہ وہ نوجوان کہاں گیا کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔

اس طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ

روی عن عبید بن عمیر ان اللہ عمی علی الناس من حینئذ اثرہم و حجبہم عنہم فلذلک دعا الی بناء البنیان لیکون معلما لہم

(الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ج ۳ ص ۵۰۷)

پروفیسر صاحب عبدالحارث نے جو دلیل پیش کی ہے وہ ان پانچ وجوہ سے باطل ہے وہ اس کو اپنی دلیل نہیں بنا سکتا۔

کیونکہ ان پانچ وجوہ سے ان کو اپنی دلیل کمزور ماننا پڑے گی۔

یہ ہی وجہ ہے کہ جو کوئی اس آیت سے قبروں کو پختہ کرنے کو ثابت کریں تو اس کے بارے میں علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں۔

وھو قول باطل عاطل فاسد کاسد

(روح المعانی ج ۵ ص ۲۳۸)

کتنے سخت الفاظ کے ساتھ اس کی تردید کی ہے۔

ان کا دوسرا استدلال روح البیان کے حوالے سے جو پیش کیا ہے ہم مانتے ہیں عبدالحارث نے جو عبارت پیش کی ہے وہ وہاں موجود ہے لیکن اس سے بھی قبروں کو پختہ کرنا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ قرآن نے تو صرف دو گروہوں کا قول ذکر کیا ہے ایک کافروں کا اور دوسرا مسلمانوں کا اس وقت مسلمان غالب تھے اس لیے وہ مسجد بنانے پر مصر تھے لیکن کافر تو مغلوب ہوئے تو وہ کیسے عمارت تعمیر کرتے۔

دوسری بات یہ ہے کہ شیخ اسماعیل نے صرف ''بنیانا'' کی تفسیر کی ہے یہ ذکر نہیں کیا کہ واقعی انہوں نے ایسا ہی بنایا ہو۔

اسی طرح علامہ موصوف نے جو لکھا ہے کہ وہ لوگ ایسی ہی تعمیر کرنا چاہتے تھے جیسا کہ حضور ﷺ کے روضہ مبارک کی ہے تو یہ بالکل ہی بے معنی ہے۔

کیونکہ اصحاب کہف کا واقعہ پہلے ہوا ہے اور کئی سو برس کے بعد روضۂ مبارکہ کی تعمیر عمل میں آئی ہے۔

تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ روضہ مبارک کی طرح تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضور ﷺ کے روضہ مبارک کی تعمیر پہلے ہوئی اور اصحاب کہف کا واقعہ بعد میں ہوا۔

اگر ایک چیز ہم بناتے ہیں تو پہلے نقشہ بنتا ہے اس نقشے کو دیکھ کر وہ چیز بنتی ہے نقشے کے بغیر وہ کیسے بن سکتی ہے۔

اور یہاں اس کے برعکس ہے کہ

ان کے تیسرے استدلال کا جواب یہ ہے کہ

حضرت حسن بن حسن بن علی کی بیوی نے جو قبہ لگایا تھا وہ قبہ خیمہ تھا نہ کہ قبروں کو پختہ کرنا۔

اس نے کیوں خیمہ لگایا تھا ملا علی قاریؒ کی زبانی سنیے

الظاهر انه لاجتماع احباب الذکر والقراۃ وحضور لاصحاب الدعاء والمغفرۃ والرحمۃ

(مرقات ج ۴ ص ۱۰۵)

یعنی ذکر و قراۃ کے لیے جمع ہوا اور میت کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کریں۔

جب اس نے ایک سال تک خیمہ لگائے رکھا تو غیب سے آواز آئی جس چیز کو تم نے کھویا کیا اس کو پالیا دوسرے نے جواب دیا نہیں بلکہ اس کا لوٹنا ناممکن ہے پھر سب لوگ چلے گئے۔

پروفیسر صاحب ان کا عمل اس دلیل پر نہیں ہے۔

کیونکہ اس عورت نے ایک سال تک خیمہ رکھا پھر خود ہی اس کو اتارا اور چلے گئے۔

لیکن برعکس ان بدعتیوں کا عمل یہ ہے کہ قبروں کو پختہ کرتے ہیں اور وہ بھی ہمیشہ کے لیے

نہ کہ ایک سال کے لیے۔

تم لوگوں کے کبھی ایسا کیا ہے کہ ایک سال کے لیے عمارت بنائی ہو اور پھر اس کو توڑ دیا ہو۔

پروفیسر صاحب دوسری بات یہ ہے کہ عبدالحارث نے اس حدیث کو پوری ذکر نہیں کی بلکہ اپنی مطلب کی بات ذکر کر دی اگر پوری حدیث ذکر کرتا تو اس کا جواب حدیث کے اندر ہی موجود ہے۔

یہ حدیث بخاری میں ہے پوری حدیث اس طرح ہے۔

ولما مات الحسن بن حسین بن علی ضربت امراته القبة علی قبره سنة ثم رفعت فسمعوا صائحاً یقول الاهل وجدوا ما فقدوا فاجابة آخر بل یئسوا فانقلبوا

(بخاری ج اص ۱۷۷)

اتخذوا قبور انبیائهم مساجد کو باب ما یکره من اتخاذ المسجد علی القبور کے تحت ذکر کیا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امام بخاریؒ بھی اس کو مکروہ جانتے ہیں۔ ان کی بقیہ دلیلیں قبروں کو پختہ کرنے کے بارے میں تو ہم جواب دیں گے وہ دلیلیں ضعیف و کمزور ہے صریح نصوص کے مقابلے میں کیونکہ جب حضور ﷺ وصحابہ کا قول و فعل موجود ہو اور اسی طرح امتکے علماء کا فتویٰ موجود ہو اس کے خلاف (یعنی قبروں کو پختہ کرنے کے بارے میں) تو صریح نصوص کو چھوڑ کر ضعیف وشاذ و ناذر پر کیسے عمل کیا جا سکتا ہے۔

مفصل دلائل

پروفیسر صاحب اب میرے دلائل سنیئے!

امام بخاریؒ روایت نقل کرتے ہیں

لعن الله الیهود والنصاری اتخذوا قبور انبیائهم مساجد

(بخاری ج اص ۱۷۷)

یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔

دوسری روایت

اذا مات منهم الرجل الصالح بنوا علی قبره مسجد ثم صوروا فیه تلک الصور اوّلئک شرارا الخلق عندالله

(بخاری ج اص ۱۷۹)

یعنی جب کوئی نیک آدمی مرتا تو اس کی قبر کو سجدہ گاہ بناتے حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ ہی لوگ اللہ کے نزدیک بدترین ہیں۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ

اشتد غضب الله علی قوم اتخذوا قبور انبیائهم و صالحیهم مساجد

(الجامع الاحکام القرآن ج ۵ ص ۳۸۰)

اللہ کا غضب بہت زیادہ ہوتا ہے ایسے لوگوں پر جو اپنے انبیاء وصالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے

الا وان من کان قبلکم کان یتخذون قبور انبیائهم مساجد فانی انهاکم عن ذلک

(روح المعانی ج ۵ ص ۲۳۸)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ خبردار رہو تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بناتے تھے میں تم کو اس سے روکتا ہوں۔

دوسری روایت

من شرار امتی من یتخذ القبور مساجد

(روح المعانی ج۵ص۲۳۸)

میری امت میں بدترین لوگ وہ ہیں جو قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں۔

امام مسلمؒ روایت نقل کرتے ہیں

وعن جابر قال نهی رسول الله ﷺ ان یجصص القبر وان یقعد علیه وان یبنی علیه

(مسلم ج۱ص۳۱۲)

حضورﷺ نے منع فرمایا ہے کہ قبروں کو پختہ کرنے سے اور اس پر بیٹھنے سے اور اس پر عمارت بنانے سے۔

امام ترمذیؒ ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

عن جابر قال نهی رسول الله ﷺ ان تجصص القبور وان یکتب علیها وان یبنی علیها وان توطا

(ترمذی ج۱ص۱۲۵)

حضورﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے سے اور اس پر لکھنے سے اور اس پر عمارت بنانے سے اور اس پر چلنے سے منع فرمایا ہے۔

امام طحاویؒ روایت نقل کرتے ہیں۔

عن جابر قال نهی رسول الله ﷺ عن تجصیص القبور الکتابة علیها والجلوس علیها والبناء علیها

(شرح معانی الآثار ج۱ص۳۲۹)

امام شافعیؒ قبر اونچی کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں

ان السنة ان القبر لا یرفع علی الارض رفعا کثیر

(شرح مسلم ج۱ص۳۱۲)

سنت یہ ہے کہ قبر زمین سے زیادہ اونچی نہ ہو

آگے لکھتے ہیں۔

قال اصحابنا تجصیص القبر مکروہ

(شرح مسلم ج۱ص۳۱۲)

ہمارے اصحاب قبر کو اونچی کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔

آگے لکھتے ہیں۔

والبناء علیه فان کان فی ملک البانی فمکروہ وان کان فی مقبرة سبلة فحرام

(شرح مسلم ج۱ص۳۱۲)

قبر پر عمارت بنانا اگر عمارت بنانے والے کی ملک میں ہو تو مکروہ اور اگر عام مقبرہ میں ہو تو حرام ہے۔

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں۔

تمام ائمہ دین متفق ہیں کہ قبروں پر مسجد بنانا پردے لٹکانا ان سے منتیں ماننا ان کے نزدیک سونا چاندی رکھنا ناجائز ہے۔

(اصحاب صفہ ص۷۳)

آگے لکھتے ہیں

ائمہ اسلام متفق ہیں کہ ان عمارتوں کا قبروں پر بنانا انہیں مسجد قرار دینا ان کے نزدیک

نماز پڑھنا ان پر اعتکاف کرنا ان سے استغاثہ کرنا ان کے سامنے تہلیل وتکبیر بلند کرنا وغیرہ سب کام غیر مشروع ہیں قبرستانوں میں نماز مکروہ ہے اور بہتوں کے نزدیک تو ایسی نماز باطل ہے کیونکہ اس کی صریح ممانعت موجود ہے۔

(اصحاب صفہ ص ۸۶)

ونھی ان یجصص القبر وان یبنی علیه

(حجۃ اللہ البالغۃ ص ۳۷)

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں

قال العلماء یستحب ان یرفع القبر قدر شبر ویکرہ فوق ذلک

(مرقات ج۴ص۶۸)

علماء فرماتے ہیں کہ قبر ایک بالشت کے بقدر اونچی ہونا مستحب ہے اور اس سے اونچی ہونا مکروہ ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں

وھی ما انکرہ ائمة المسلمین کا البناء علی القبور و تجصیصھا

(مرقات ج۱ص۲۴۶)

اور یہ بدعت ہے جس کا ائمہ مسلمین نے انکار کیا ہو جیسے قبروں پر عمارت بنانا اور ان کو پختہ کرنا

علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں

واما البناء علیه فلم ار من اختارہ جوازہ

(شامی ج۲ص۲۳)

مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے عمارت بنانے کے جواز کو پسند کیا ہو

ایک جگہ ہے

ولا یربع و یسنم ولا تجصص ولا یطین ولا یرفع علیه بناء

(شامی ج۲ص۲۳۷)

اسی طرح وعن ابی حنیفه یکرہ ان یبنی علیه من بیت اوقبه او نحو ذلک

(شامی ج۲ص۲۳۷)

امام صاحب سے مروی ہے کہ قبر پر مکان یا قبہ یا اس کے مانند کوئی اور عمارت بنانا مکروہ ہے۔

(ویسنم القبر ولا یربع) ولا یجصص لنھی النبی ﷺ عن تربیع القبور و تجصیصھا (ویحرم البناء علیه اللزینة)

(حاشیۃ الطحطاوی ص۶۱۱)

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ شامی کے حوالے سے لکھتے ہیں

وتکرہ الزیادۃ علیه من التراب لانه بمنزلة البناء

(اعلاء السنن ج۸ص۳۰۵)

اور سنیے

وقال علمائنا وھذا یحرم علی المسلمین ان یتخذوا قبور الانبیاء والعلماء مساجد

(الجامع الاحکام القرآن ج۵ص۳۸۰)

مسلمانوں پر یہ حرام ہے کہ انبیاء والعلماء کی قبروں کو مساجد بنائیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے

ویسنم القبر قدر الشبر ولا یربع ولا یجصص ولا باس برش الماء علیه ویکرہ ان یبنی علی القبر

(فتاوی عالمگیری ج۱ص۱۶۶)

اوراس کے حاشیہ پر ہے

ولا یجصص القبر لما روی عن النبی ﷺ انه نهی عن التجصیص والنقضیص وعن البناء فوق القبر

(ہامش عالمگیری ج اص ۱۹۴)

علامہ کاسانی حنفیؒ لکھتے ہیں

ویکره تجصیص القبر وتطینه (الی) ویکره ان یزاد علی التراب القبر الذی خرج منه لان الزیادة علیه بمنزلة البناء

(بدائع الصائع ج اص ۳۲۰)

قبر کو پختہ کرنا اوراس کی لپائی کرنا مکروہ ہے آگے لکھتے ہیں

اور مکروہ ہے جو مٹی قبر سے نکلی ہے اس سے زیادہ مٹی ڈالنا اس لیے کہ بمنزلہ عمارت کے زمرے میں آئے گی۔

علامہ طاہر البخاریؒ لکھتے ہیں

ولا یجصص القبر ولا یطین ولا یرفع علیه بناء

(خلاصة الفتاوی ج اص ۲۳۶)

اور سنیے

فاتخاذ المساجد علی القبور والصلوٰة فیها والبناء علیها الی غیر ذلک مماتضمنته السنة من النهی عنه ممنوع لا یجوز

(الجامع الاحکام القرآن ج ۵ص ۳۷۹)

قبروں پر مسجدیں بنانا اوراس میں نماز پڑھنا اوراس پر عمارت بنانا وغیرہ سب ممنوع ہے کسی طرح جائز نہیں۔

پروفیسر صاحب امت کے علماء کا اجماع اس بات پر ہے کہ قبروں کو مساجد بنانا اوراس پر عمارت بنانا حرام ہے اور یہ ہی شرک کا سبب بنتا ہے۔

اسی کے متعلق علامہ آلوسیؒ کی زبانی سنیے:

ثم اجماعا فان اعظم المحرمات و اسباب الشرک عندها واتخذها مساجد او بناء علیه

(روح المعانی ج ۵ص ۲۳۸)

علامہ ابن حجر مکیؒ نے اس کو کبیرہ گناہ میں شامل کیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں

وذکر ابن حجر فی الزواجر: "ذلک من الکبائر"

(روح المعانی ج ۵ص ۲۳۸)

علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں

وظاهر ان الکراهة تحریمة (شامی ج ۲ص ۲۳۶)

(قبروں کو پختہ کرنا) مکروہ تحریمی ہے

پروفیسر صاحب اب آپ کا فیصلہ آپ جیسا فیصلہ کرنا چاہیں ہمیں منظور ہے۔

پروفیسر صاحب کا فیصلہ

پروفیسر: سعید بھائی آپ نے تو دلائل کے انبار کھڑے کردیے میں کیا فیصلہ کرتا یہ سب واضح ہوگیا ہے آپ نے جو دلائل پیش کیے ہیں اس میں کسی کا اختلاف نہیں کیونکہ حضور ﷺ کا قول وفعل وصحابہ کا قول وفعل وعمل اور امت کے علماء کا فتویٰ آپ نے اچھے انداز سے بیان کیا ہے اور میں یہی فیصلہ کرتا ہوں کہ قبروں کو پختہ کرنا اوراس پر عمارتیں بنانا ناجائز اور حرام ہے۔

سعید: اب جو عمارتیں یا پختہ قبریں بنائی گئیں ہیں اس کو گرانا واجب نہیں؟

پروفیسر: اب جو ہوگیا سو ہوگیا اس کو کیسے گرایا جاسکتا ہے؟ آئندہ کے لیے اجتناب ضروری ہوگا۔

سعید: یہ تو سبب ہے شرک کا آپ دیکھیے قوم نوح میں چند نیک بزرگ تھے مثلاً ود۔ سواع۔ یغوث۔ یعوق۔ نسر جب وہ مرگئے تو لوگوں نے ان کی قبریں بنائیں ان کی تعظیم کی پھر بتدریج عبادت کرنے لگے اور یہی حال آپ کے سامنے بیان کرنے کی ضرورت نہیں جتنی بے حیائی بدمعاشی اور برائی ایسی جگہوں پر ہوتی ہیں اور کہیں نہیں ہوتی۔

پروفیسر: کیا کوئی قبر گرائی گئی ہے اس کے بارے میں کوئی قول ملتا ہے؟

سعید: کیوں نہیں۔

امام مسلمؒ ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

قال لی علی الا ابعثک علی ما بعثنی علیه رسول الله ﷺ ان لاتدع تمثالاً الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سویته

(مسلم ج۱ص۳۱۲)

حضرت ابوالہیاج اسدی فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے اس کام کے لیے نہ بھیجوں جس کام کے لیے مجھے حضور ﷺ نے بھیجا تھا وہ یہ کہ کوئی فوٹو مٹائے بغیر نہ چھوڑنا اور کوئی اونچی قبر نہ چھوڑنا مگر یہ کہ اس کو برابر کر دینا۔

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی نے ان قبروں کو گرادیا جو پختہ تھی یا کوئی اونچی قبر تھی۔

دوسری روایت مسلم شریف کی

قال کنا مع فضالة بن عبید بارض روم برودس فتوفی صاحب لنا فامر

فضالة بقبرة فسوی ثم قال سمعت رسول الله ﷺ یامر بسویتها

(مسلم ج۱ص۳۱۲)

ہم حضرت فضالۃ بن عبید کے ساتھ روم کی سرزمین رودس کے مقام پر تھے کہ ہمارا ایک ساتھی فوت ہوگیا حضرت فضالۃ نے ان کی قبر کو برابر کرنے کا حکم دیا حضرت فضالۃ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ آپ قبروں کو برابر کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب عبدالرحمٰن کی قبر پر خیمہ دیکھا تو اس کو جلدی سے اٹھوایا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ قبر پر ان چیزوں کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے فرمایا کہ صاحب قبر کو اپنے اعمال کا سایہ چاہیے ان چیزوں سے نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں

ورای ابن عمر فسطاطا علی قبره عبدالرحمن فقال انزعه یا غلام فانما یظله عمله (بخاری ج۱ص۱۸۱)

پروفیسر صاحب آگے سنیے

علامہ آلوسی صاحبؒ تفسیر لکھتے ہیں

وتجب المبادرة لهدمها هدم القباب التی علی القبور اذهی اضر من مسجد الضرار (روح المعانی ج۵ص۲۳۸)

واجب ہے اونچی قبروں کو اور جو ان پر قبے ہیں ان کو گرادیا جائے کیونکہ یہ مسجد ضرار سے بھی زیادہ نقصان دہ ہیں۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں

یجب الهدم وان کان مسجد (مرقات ج۴ص۶۹)

(قبر کو) گرانا واجب اگرچہ مسجد ہی کیوں نہ ہو

امام ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں

پھر اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تمام مسجدیں ڈھادی جائیں جو قبروں پر بنائی گئی ہیں عام اس سے کہ کسی کی قبر کیوں نہ ہو کیونکہ یہ بت پرستی کے اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب ہے۔

(اصحاب صفہ ص ۷۳)

پروفیسر صاحب آپ نے دلائل کو سن لیا کہ صحابہ کرام نے حضور ﷺ کے ارشادات پر کیسا عمل کیا اور کس طرح عمل کروایا اگر قبروں کو پختہ کرنا جائز ہوتا تو صحابہ کرام اس کو نہ گراتے اور علماء کرام قبروں کو گرانے کے بارے میں کوئی فتوی نہ دیتے۔

یہ سب باتیں آپ کے سامنے رکھ دی ہیں اب آپ فیصلہ کریں۔

پروفیسر: قبروں کو پختہ کرنا اور اس پر عمارت و مسجد وغیرہ بنانا حرام ہے اگر کوئی بھی چیز بنائی گئی تو اس کو گرانا واجب ہے اگر کوئی چیز گرائی نہیں گئی یعنی پختہ قبر کو عمارت کو اور مسجد کو تو یہ شرک کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہوگا۔

سعید: قبروں کو پختہ کرنا مستحب ہے یا دین اسلام کے ساتھ بغاوت ہے؟

پروفیسر: قبروں کو پختہ کرنا کوئی اسلام کا حصہ نہیں بلکہ اسلام کے ساتھ دشمنی ہے۔

چراغاں کرنے کا مسئلہ

سعید: اب ہم مزارات کو چراغاں کرنے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں آپ راضی ہیں؟

عبدالحارث: جی ہاں

سعید: مزارات کو چراغاں کرنا کیسا ہے؟

عبدالحارث: جائز ہے۔

سعید: کس طرح جائز ہے؟

عبدالحارث: عام مسلمانوں کی قبروں پر ضرورتاً جائز ہے اور اولیاء اللہ کی قبور تو شعائر اسلام میں سے ہے ضرورتاً ہو یا نہ ہو تب بھی تعظیم ولی کے لیے جائز ہے۔

قرآن میں آتا ہے

ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب

اس میں کوئی قید نہیں جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مروج ہو جائز ہے۔

علامہ اسماعیل البروسویؒ لکھتے ہیں

وکذا ایقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیاء والصلحاء والاجلال للاولیاء فالمقصد فیها مقصد حسن و نذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورهم تعظیماً بهم و محبة فیهم جائز لاینبغی النهی عنه

(روح البیان ج ۳ ص ۴۰۰)

اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قندیل اور موم بتیاں جلانا ان کی عظمت کے لیے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے لہٰذا جائز ہے اور اولیاء کے لیے تیل اور موم بتی کی نذر ماننا تاکہ ان کی عزت کے لیے ان کی قبور کے پاس جلائی جاویں جائز ہے اس سے منع نہ کرنا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مزارات اولیاء اللہ کی رونق سے اسلام کی رونق ہے۔

اس لیے یہ جائز ہے۔

سعید: پروفیسر صاحب آپ نے عبدالحارث کی تقریر سنی کس طرح غلط بیانی سے کام لیتا ہے۔

اس نے مزارات اولیاء اللہ کو شعائر اسلام تصور کیا ہے ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کون سا ایسا عالم دین ہے جس نے اپنی کتابوں و فتاوی میں مزارات اولیاء اللہ کو شعائر اسلام تصور کیا

ہو کسی ایک عالم کا نام تو بتاؤ۔

حد ہو گئی ان بدبختوں کی ایک بدعت اور سیۂ عمل کو رواج دینے کے لیے کس کس طرح استدلال کرتے ہیں۔افسوس! ان کو اس کے بارے میں غور وخوض سے سوچنا چاہیے تھا۔

بلکہ علماء نے مزارات پر چراغاں کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔

بلکہ خود حضور ﷺ نے قبروں پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

ملاحظہ فرمائیں۔

وعن ابن عباس قال لعن رسول الله ﷺ زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسراج

(ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۵)

حضور ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر اور قبروں کو سجدہ گاہ بنانے والوں پر اوران پر چراغاں کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔

امام مالک نے ایک روایت نقل کی ہے۔

عن سعيد بن ابى سعيد المقبرى عن ابى هريرة انه نهى ان يتبع بعد موته بنار

(مؤطا امام مالک ص ۲۰۷)

حضرت ابوہریرہؓ نے منع فرمایا کہ میرے مرنے کے بعد آگ (یعنی کوئی چراغ کی ضرورت نہیں) لے کر آئے۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں

وتجب ازالة كل قنديل او سراج على قبر

(روح المعانی ج ۵ ص ۲۳۸)

اور واجب ہے کہ قبروں پر جو بھی چاہیے قندیل ہو یا چراغ ہو اس کو دور کردیا جائے۔

ایک اور روایت میں آتا ہے۔

عن ابى هريره قال اوصى ابو موسى اشعرى حين حضرة الموت فقال لا تتبعونى بموة قالوا له او سمعت فيه شيئا قال نعم من رسول الله ﷺ قال سندى بمجراى بنار لا فائدة فيه ويودى الى الفال القبيح فتركه اولىٰ

(اعلاء السنن ج ۸ ص ۲۸۹)

یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری نے وصیت کی کہ میرے ساتھ آگ نہ لے جانا علامہ سندی نے فرمایا کہ اس میں کوئی فائدہ نہیں اور یہ برا فال ہے اس کو چھوڑنا ہی بہتر ہے۔

امام مالکؒ ایک روایت نقل کرتے ہیں

عن هشام بن عروة عن اسماء بنت ابى بكرؓ انها قالت لاهلها اجمروا ثيابى اذا مت ثم حنطونى ولا تذروا على كفنى حناطاً ولا تتبعونى بنار

(مؤطا امام مالک ص ۲۰۷)

یعنی حضرت اسماء بنت ابی بکر نے اپنے گھر والوں کو چند باتوں کی تلقین کی تھی اس میں سے ایک یہ ہے کہ جب میں مرجاؤں تو میرے ساتھ آگ نہ لے جانا۔

امام مسلمؒ نے اپنی کتاب میں حضرت عمرو بن العاصؓ کی ایک طویل حدیث نقل کی ہے جو انہوں نے کئی باتوں کی وصیت کی تھی ان میں سے ایک یہ ہے

فاذا انا مت فلا تصحبنى نائحة ولا نار

(صحیح مسلم ج ا ص ۷۶)

جب میں مرجاؤں تو نہ میرے ساتھ کوئی نوحہ کرنے والی عورت جائے اور نہ کوئی آگ ہو۔

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے

وایقاد النار علی القبور فمن رسوم الجاهلیة

(عالمگیری ج ۱ ص ۱۶۷)

قبروں پر آگے (چراغ و بتیاں) جلانا جاہلیت کی رسم ہے

علامہ آلوسی لکھتے ہیں

وقد صرح فی بعض الاحادیث المذکورة بلعن من اتخذ علی القبور سراجا

(روح المعانی ج ۵ ص ۲۳۷)

البتہ بعض احادیث مذکورہ میں صراحت کے ساتھ لعنت کی گئی ہے ان لوگوں پر جو قبروں پر چراغاں کرتے ہیں۔

علامہ ابن حجر مکیؒ لکھتے ہیں۔

صرح اصحابنا بحرمة السراج علی القبور (الی) والتشبیه بالمجوس

(زواجر ج ۱ ص ۲۷۳)

یعنی ہمارے علماء نے قبروں پر چراغاں کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

آگے لکھتے ہیں اور یہ مجوسی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے۔

امام نوویؒ لکھتے ہیں۔

واما اتباع المیت بالنار فمکروه للحدیث ثم قیل سبب الکراهة کونه من شعار الجاهلیة وقال ابن حبیب المالکی مکره تفاؤلا بالنار

(شرح صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۶)

یعنی آگ لے جانا میت کے ساتھ حدیث کی رو سے مکروہ ہے پھر یہ بھی کہا گیا کہ (یہ چراغاں کرنا) شعار جاہلیت ہونے کی وجہ سے مکروہ ہونے کا سبب بنا امام ابن حبیب مالکی کہتے ہیں آگ بدفالی کی وجہ سے مکروہ ہے۔

پروفیسر صاحب آپ نے میرے استدلال کو اچھے انداز سے سنا ہے کہ میں نے آپ کے سامنے احادیث اور علماء کرام کے اقوال و فتاویٰ جات کو پیش کیا ہے۔

احادیث میں چراغاں کرنے کو منع فرمایا ہے اور علماء کرام نے اس کو جاہلیت کی رسم بتلایا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ مجوسیت کے ساتھ مشابہت ہے اور یہ جاہلیت کا شعار ہے۔

کتنی پرزور انداز میں اس کی تردید کی گئی ہے اور عبدالحارث کا یہ کہنا کہ مزارات اولیاء شعائر اسلام میں سے ہے اس لیے اس کو چراغاں کرنا چاہیے کیا یہ گمراہی کی باتیں نہیں۔

حتی کہ امام ابن حجر مکیؒ نے فرمایا کہ

عد هذه کبائر

(زواجر ج ۱ ص ۲۷۳)

چراغاں کرنے کو کبیرہ گناہ میں شمار کیا ہے۔

اب آپ فیصلہ کریں علماء اس کو گناہ تصور کریں حرام و مکروہ جانیں اور عبدالحارث اس کو ثابت کرنے اور دین ثابت کرنے پر لگا ہوا ہے آپ اس حالت میں کیا فیصلہ کریں گے۔

پروفیسر صاحب کا فیصلہ

پروفیسر: سعید بھائی آپ نے تو دل خوش کر دیا یہ عمل تو جاہلوں اور مجوسیوں کا عمل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں بے جا اسراف بھی ہے اور اس میں کوئی فائدہ بھی نہیں کیوں نہ اس کو ترک کر دیا جائے۔ کیونکہ اس میں تمام علماء کی تردید موجود ہے اس لیے یہ عمل نہ سنت سے ثابت ہے اور نہ اقوال سلف صالحین سے اور جو اس عمل کو کرتا ہے وہ ابن حجر مکیؒ کے قول کے مطابق گناہ گار ہے۔

سعید: اور جو مزارات اولیاء کو شعائر اسلام تصور کریں اور ان کی قبروں پر چراغاں کرنے کو جائز سمجھے تو آپ اس کے بارے میں کیا فتویٰ دیں گے؟

پروفیسر: وہ شخص جاہل ہے چراغاں کرنا مکروہ اور حرام ہے۔

اذان سے پہلے الصلوٰۃ والسلام کا مسئلہ

سعید: مزید گفتگو کرتے ہیں اذان سے پہلے الصلوٰۃ والسلام کا پڑھنا کیسا ہے؟

عبدالحارث: جائز ہے بلکہ اس کا پڑھنا افضل ہے۔

سعید: کس طرح جائز ہے؟

عبدالحارث: اس لیے کہ قرآن میں آتا ہے۔

ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما

اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو تم بھی نبی پر درود وسلام بھیجو

دوسری بات اگر کوئی نیک عمل کریں تو اس کو چاہیے کہ وہ پہلے درود وسلام پڑھ لے تاکہ عنداللہ مقبول ہو۔

سعید: ہم درود وسلام کے منکر نہیں ہم بھی آقائے دو جہاں ﷺ پر درود وسلام پڑھتے ہیں۔

لیکن اذان سے پہلے الصلوٰۃ والسلام کا پڑھنا ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ اس کا ثبوت نہیں اگر ثبوت مل جائے تو ہم ماننے کے لیے تیار ہیں۔

دیکھو حضرت بلال مسجد نبوی کے مؤذن تھے انہوں نے اذان سے پہلے الصلوٰۃ والسلام نہیں پڑھا۔ اسی طرح ابومحذورہؓ مکہ کے مؤذن تھے انہوں نے بھی اذان سے پہلے الصلوٰۃ والسلام نہیں پڑھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو مؤذن مقرر کئے اور ان کو اذان کی تعلیم دی لیکن اذان سے پہلے الصلوٰۃ والسلام پڑھنے کی تلقین نہیں کی اگر الصلوٰۃ والسلام پڑھنا ضروری ہوتا تو حضور اکرم ﷺ ان کو ضرور تعلیم دیتے۔ کیونکہ پیغمبر کا کام دین پہنچانا ہوتا ہے اگر یہ دین ہوتا تو حضور ﷺ ضرور اس کی تعلیم دیتے۔

دوسری بات: اذان سے پہلے الصلوٰۃ والسلام کا پڑھنا نہ حضور ﷺ کے زمانے میں رائج تھا نہ صحابہ نہ تابعین نہ تبع تابعین کے زمانہ میں رائج تھا بلکہ یہ بعد میں رائج ہوا ہے۔

اب کچھ دلائل سنیئے:

حضرت بلالؓ وابومحذورہؓ کس طرح اذان دیتے تھے اور حضور ﷺ نے ان کو اذان دینا کس طرح سکھایا ان کو ملاحظہ فرمائیں

امام طحاویؒ نے چند احادیث نقل کی ہیں

عن ام عبدالملک بن ابی محذورۃ عن ابی محذورۃ قال علمنی رسول اللہ ﷺ الاذان کما تؤذنون الآن اللہ اکبر اللہ اکبر الخ

(شرح معانی الاثار ج ا ص ۹۸)

ابومحذورۃ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے اذان دینا سکھائی جس طرح تم ابھی دیتے ہو اللہ اکبر اللہ اکبر آخر تک دیکھو اس میں اذان سے پہلے الصلوٰۃ والسلام کا ذکر نہیں

دوسری حدیث

ان ابا محذورۃ حدثہ ان النبی ﷺ علمہ الاذان تسع عشرۃ کلمۃ اللہ اکبر اللہ اکبر الخ

(شرح معانی الاثار ج ا ص ۹۹)

حضرت ابومحذورہؓ کو حضور ﷺ نے انیس کلمات اذان کے سکھائے (وہ یہ ہیں) اللہ اکبر اللہ اکبر آخر اذان تک دیکھو اگر الصلوٰۃ والسلام پڑھنا جائز ہوتا تو حضور ﷺ ان کو اس کی بھی تعلیم دیتے جس طرح اذان کلمات کی تعلیم دی۔

تیسری حدیث

ان عبداللہ بن زید رای رجلا نزل من السماء علیہ ثوبان اخضران او

برداں اخضران فقام علی جذم حائط فنادی اللہ اکبر اللہ اکبر الخ

(شرح معانی الاثار ج ا ص ۹۹)

حضرت عبداللہ بن زید نے ایک خواب دیکھا کہ ایک آدمی کو خواب میں دیکھا کہ وہ ان کے سامنے آسمان سے اترا اس کے اوپر دو کپڑے سبز رنگ کے تھے یا دو چادر سبز رنگ کی تھی پس وہ دیوار پر کھڑا ہوا اور اذان دینا شروع کی اللہ اکبر اللہ اکبر اس میں بھی الصلوٰۃ والسلام کا ذکر نہیں۔

پھر جب حضرت عبداللہ بن زید نے اس خواب کو حضور ﷺ کے سامنے ذکر کیا تو فرمایا کہ یہ خواب حق ہے اور اس اذان کی تعلیم حضرت بلال کو دو تا کہ آئندہ وہ اذان دیا کریں جب وہ اذان دیتے تھے تو وہ اذان سے پہلے الصلوٰۃ والسلام نہیں پڑھتے تھے۔

امام ترمذیؒ ایک روایت ذکر کرتے ہیں

عن محمد بن عبداللہ بن زید عن ابیہ قال لما اصبحنا اتینا رسول اللہ ﷺ فاخبرتہ بالرؤیا فقال ان ھذی رؤیا حق فقم مع بلال فانہ اندی و امد صوتا منک فالق علیہ

(ترمذی ج ا ص ۲۶)

اسی طرح مسلم کی ایک روایت ہے کہ

عن ابی محذورۃ ان النبی ﷺ علمہ ھذا الاذان اللہ اکبر اللہ اکبر

(مسلم ج ا ص ۱۶۵)

یعنی حضرت ابومحذورۃ کو جو اذان سکھائی اس کی ابتدا اللہ اکبر اللہ اکبر سے ہوتی ہے (نہ کہ بدعتیوں کی طرح ان کی اذان الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہوتی ہے)

اب ان دلائل کو سنیئے جو اذان کے باب سے ہیں اور اس کی تعلیم حضور ﷺ نے دی ہے۔

عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ ﷺ قال اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما یقول المؤذن

(مسلم ج ا ص ۱۶۶)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اذان سنو تو اس طرح کہو جو مؤذن کہتا ہے (یعنی اذان کا جواب دو)

دوسری روایت

عن حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب عن ابیہ عن جدہ عمر بن خطاب قال قال رسول اللہ ﷺ اذا قال المؤذن اللہ اکبر اللہ اکبر ثم قال اشھد ان لا الہ الا اللہ قال اشھد ان لا الہ الا اللہ ثم قال اشھد ان محمدا رسول اللہ قال اشھد ان محمدا رسول اللہ ثم قال حیی علی الصلوٰۃ قال لاحول ولا قوۃ الا باللہ ثم قال حیی علی الفلاح قال لا حول ولا قوۃ الا باللہ الخ

(مسلم ج ا ص ۱۶۷)

یعنی جو مؤذن کہے اسی طرح تم کہو پھر جب حیی علی الصلوٰۃ اور حیی علی الفلاح کہے تو تم اس کے جواب میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہو

تیسری روایت

عن سعد بن ابی وقاص عن رسول اللہ ﷺ قال من قال حین یسمع المؤذن وانا اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ و رسولہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد رسولا غفر اللہ لہ ذنوبہ

(ترمذی ج ا ص ۲۹)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اذان سنی اور یہ کلمہ ادا کرے تو اس کے گناہ کو اللہ معاف کردے گا وانا اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وان محمدا عبده ورسوله رضيت بالله ربا وبالاسلام دينا و بمحمد رسولا

چوتھی روایت

عن جابر بن عبدالله ان رسول الله ﷺ قال من قال حين يسمع النداء اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلوة القائمة ات محمد ن الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا ن الذى وعدته حلت له شفاعتى يوم القيامة

(بخاری ج ۱ ص ۸۶)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے اذان سنی اور یہ دعا پڑھی اللھم رب ھذہ الدعوۃ التامۃ آخر تک قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت ہوگی۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ جو روایات میں موجود ہیں اور جس کی تعلیم پیغمبر نے دی وہ دین اسلام ہے اور جو اپنی طرف سے دین بنائے اور اس پر عمل کریں دوسرے کو تلقین کریں وہ دین نہیں بلکہ وہ بدعت ہے اور اس کی کوئی حقیقت نہیں اسلام میں۔

امت کے علماء نے چاہے کسی مذہب کا ہی کیوں نہ ہو انہوں نے اپنی کتابوں میں باب الاذان قائم کیا ہے لیکن کسی ایک عالم نے اذان سے پہلے الصلوۃ والسلام پڑھنے کا مسئلہ بیان نہیں کیا۔

لیکن بدعتیوں نے اپنی طرف سے الصلوۃ والسلام کا اضافہ کردیا اور اس کو اپنا مذہب بنادیا ہے اور جو اس کو نہ پڑھے اس کی اذان ہی تصور نہیں کرتے۔

پروفیسر صاحب آپ فیصلہ کریں کہ اذان سے پہلے الصلوۃ والسلام کا پڑھنا دین ہے یا بدعت؟

پروفیسر صاحب کا فیصلہ

پروفیسر: جس کی تعلیم نبی نے دی اور امت کے مقتدر علماء نے دی وہ تو دین اسلام ہوسکتا ہے اور جو اس کے علاوہ لوگ اپنی طرف سے گھڑ لیتے ہیں وہ دین نہیں بلکہ بدعت ہے اور الصلوۃ والسلام بھی بدعت میں شامل ہے۔

عبدالحارث: کیا الصلوۃ والسلام درود شریف نہیں ہے؟

سعید: ہماری یہ گفتگو نہیں ہے کہ الصلوۃ والسلام درود شریف ہے یا نہیں بلکہ ہماری گفتگو اذان سے پہلے الصلوۃ والسلام پڑھنے پر ہے یہ الصلوۃ والسلام اذان سے پہلے ثابت نہیں۔

عبدالحارث: الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ جب یہ روضہ اقدس پر پڑھا جاتا ہے جب وہاں پڑھنا جائز ہے تو ہر جگہ ہر وقت پڑھنا جائز ہوا تو اذان سے پہلے بھی جائز ہے۔

سعید: پروفیسر صاحب اسکا یہ اجتہاد باطل کہلائے گا اس لیے کہ فقہائے امت نے ان الفاظ کے ساتھ سلام بھیجنے کا ایک خاص موقع مقرر کردیا ہے اگر اس موقع کے علاوہ بھی یہ صحیح ہوتا تو شریعت اسکی اجازت دیتی اور سلف صالحین اس پر عمل کرتے۔

جس کا جو موقع ہو اسی موقع محل کا لحاظ رکھا جائے اسکے خلاف نہ ہونا چاہیے۔

حدیث میں آتا ہے

عن ابی جری الهجيمى قال اتيت رسول الله قلت عليك السلام يا رسول الله قال لا تقل عليك السلام فان عليك السلام تحية الموتى

(ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶۱)

ابو جری الھجیمی فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کے پاس آیا تو (ان الفاظ سے سلام کیا) علیک السلام یا رسول اللہ کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح سلام نہ کرو بلکہ اس طرح سلام تو مردوں کو کیا جاتا ہے۔

دیکھو حضور ﷺ نے موقع محل اور کلمات بھی بتادیے کہ مردوں کو سلام کن الفاظ کے ساتھ کرنا چاہیے اور زندوں کو کن الفاظ کے ساتھ کرنا چاہیے۔

جیسا کہ ترمذی کی روایت ہے اور پوری حدیث موجود ہے۔

جب اس شخص نے سلام تین مرتبہ ان الفاظ سے علیک السلام یارسول اللہ کہا تو حضور ﷺ نے فرمایا ان علیک السلام تحیۃ المیت ثم اقبل علی فقال اذا لقی الرجل اخاہ المسلم ولیقل السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ثم یرد علی النبی ﷺ قال و علیک ورحمۃ اللہ

(ترمذی ج۲ص۹۷)

یعنی حضور ﷺ نے فرمایا علیک السلام تو مردوں کو کیا جاتا ہے لیکن جب تم کسی مسلمان بھائی سے ملو تو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا چاہیے پھر اس نے جواب میں وعلیک ورحمۃ اللہ کہا۔

دوسری روایت

عن ھلال بن سیاف قال کنا مع سالم بن عبید فعطس رجل من القوم فقال السلام علیکم فقال سالم وعلیک وعلی امک ثم قال بعد لعلک وجدت مما قلت لک قال لوددت انک لم تذکر امی بخیر ولا بشر قال انما قلت لک کما قال رسول اللہ انا بینا نحن عند رسول اللہ اذا عطس رجل من القوم فقال السلام علیکم وقال رسول اللہ وعلیک وعلی امک ثم قال اذا عطس احدکم فلیحمد اللہ قال فذکر بعض المحامد ولیقیل لہ من عندہ یرحمک اللہ ولیرد یعنی علیھم یغفر اللہ لنا ولکم

(ابوداؤد ج۲ص۳۳۸)

یعنی ہلال بن سیاف کہتے ہیں کہ ہم سالم بن عبید کے ساتھ ایک مجلس میں تھے ایک شخص

کو چھینک آئی تو اس نے السلام علیکم کہا حضرت سالم نے کہا کہ تجھ پر اور تیری ماں پر بھی وہ صاحب اس سے ذرا بگڑے تو آپ نے فرمایا کہ میں نے وہی بات کہی جو ایسے موقع پر آنحضرت ﷺ کرتے تھے آپ کی مجلس میں کسی کو چھینک آئی تو اس نے السلام علیکم کہا تو حضور نے فرمایا کہ تجھ پر اور تیری ماں پر بھی اور پھر ارشاد فرمایا کہ جب کسی کو چھینک آئے تو اسے الحمدللہ کہنا چاہیے سننے والوں کو یرحمک اللہ کہنا چاہیے اور اسے جواب میں پھر یغفر اللہ لنا ولکم کہنا چاہیے۔

مطلب یہ ہوا کہ جو موقع شریعت نے تجویز کیا ہے السلام علیکم کا تو اس کو اسی موقع پر کہنا چاہیے اس سے ہٹ کر دوسرے موقع پر السلام علیکم کہنا جائز نہیں۔

اسی طرح درود وسلام کو لیجیے جو عبدالحارث نے کہا کہ الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ روضہ اقدس پر جائز ہے تو اذان سے پہلے بھی جائز ہونا چاہیے۔

ہم اس کے جواب میں کہیں گے الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ روضہ اقدس پر پڑھنا شریعت نے اجازت دی ہے اس لیے وہاں جائز ہے اور اذان سے پہلے ناجائز اس لیے ہے کہ شریعت نے اس موقع پر اجازت نہیں دی ہے اگر کوئی وہاں پڑھے گا تو شریعت کے مطابق اس کا یہ عمل درست نہیں ہوگا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ شریعت نے درود شریف کے لیے کون سا موقع مقرر کیا اور کون سا درود شریف پڑھنا چاہیے۔

عن عبداللہ بن عمرو العاص انہ سمع النبی ﷺ یقول اذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل ما یقول ثم صلّوا علیّ فانہ من صلی علیّ صلوۃ صلی اللہ علیہ بھا عشرا الخ

(مسلم ج۱ص۱۶۶)

حضورﷺ نے فرمایا اگر تم اذان سنو تو مؤذن جو کہے اسی طرح تم کہو پھر مجھ پر درود شریف پڑھو جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا اس پر دس مرتبہ رحمتیں بھیجی جاتی ہیں۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ درود اذان کے بعد ہے اس کو خود حضورﷺ نے بتلا دیا ہے اور اگر کوئی اس سے ہٹ کر اذان سے پہلے پڑھے اور لازم قرار دے تو یہ بدعت ہوگا۔

اب آگے چل کر میں بتلاؤں گا کہ کون سا درود وسلام پڑھنا چاہیے۔

اجتماعی طور پر کھڑے ہوکر درود و سلامی پڑھنے کا مسئلہ

سعید: تم لوگ بعد نماز جمعہ اور محفل میلاد میں کھڑے ہوکر اجتماعی طور پر درود وسلامی کیوں پڑھتے ہو؟

عبدالحارث: اجتماعی طور پر درود وسلامی پڑھنا ثابت ہے اس لیے ہم پڑھتے ہیں۔

سعید: کوئی ثبوت ہے؟

عبدالحارث: کیوں نہیں حدیث میں آتا ہے۔

جب آنحضورﷺ کا وصال ہوا تو آپ کے جسم اطہر کو کفنا کر تخت پر لٹا دیا گیا تو اس موقع پر حضرت جبرائیل ومیکائیل، اسرافیل وعزرائیل علیہم السلام نے فرشتوں کے لشکروں کے ساتھ صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔

(بیہقی، حاکم، طبرانی)

دوسری دلیل

ہر مسلمان مرد عورتوں اور بچوں نے باری باری کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پیش کیا۔

(مدارج النبوۃ ج۲ ص۴۴۰)

جمعہ کے دن اس لیے خاص طور پر کھڑے ہوکر درود وسلام پڑھا جاتا ہے کہ خود حضور

ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود وسلام بھیجو۔

دوسری بات یہ ہے کہ کھڑے ہوکر صلوٰۃ وسلام پڑھنا حضورﷺ کی تعظیم اور ادب ہے اور اللہ کا حکم ہے کہ میرے محبوب کی تعظیم کرو۔

سعید: پروفیسر صاحب حضورﷺ نے جمعہ کے دن کثرت سے درود وسلام پڑھنے کی ترغیب دی ہے ہم اس کو مانتے ہیں لیکن کسی حدیث میں یہ نہیں آتا کہ تم نماز جمعہ کے بعد اجتماعی طور پر کھڑے ہوکر اور لاؤڈ اسپیکر میں۔ چیخ چیخ کر درود وسلامی پیش کرو۔ یہ سب بدعت میں شامل ہے۔

اگر درود وسلام ہی جمعہ کو پڑھنا ہے تو پورا دن جمعہ کا ہوتا ہے کسی اور وقت میں کیوں نہیں پڑھتے اور خاص نماز جمعہ کے بعد لازم کر دیا ہے یہ تو بدعت ہے۔

جیسا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسے عمل کو بدعت قرار دیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ لکھتے ہیں۔

ونصه صح عن ابن مسعود انه اخرج جماعة من المسجد يهللون ويصلون على النبي ﷺ جهرا وقال لهم ما اراكم الا مبتدعين

(شامی ج۶ ص۳۹۸)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے ایک جماعت کو مسجد سے نکال دیا اس بناء پر کہ وہ زور سے حضورﷺ پر درود وسلام پڑھتے تھے اور فرمایا کہ یہ کام تو بدعتیوں کا ہے۔

اسی طرح ایک جگہ ہے

وقد صح عن ابن مسعود انه سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یهللون و یصلون علیه الصلوة والسلام جهرا فراح الیهم فقال ما عهدنا ذلک علی

عهده عليه السلام وما اراكم الا مبتدعين فما زال يذكر ذلك حتى اخرجهم عن المسجد (حاشیہ عالمگیری ج۶ ص ۳۷۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایسی قوم کا تذکرہ سنا جو مسجد میں اجتماعی طور پر حضور ﷺ پر الصلوٰۃ والسلام پڑھتے تھے ان کے پاس گئے پس کہا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں یہ نہیں تھا یہ کام تو صرف بدعتیوں کا ہے پھر ان کو مسجد سے نکلوا دیا۔

ان عبارات سے واضح ہوا کہ یہ کام صرف بدعتیوں کا ہے اور اس کی کوئی اصلیت نہیں اور پھر اس کی تعلیم دینا اور زور لگانا اور اس کے نہ کرنے والوں پر اور روکنے والوں پر لعن و طعن کرنا یہ کام تو صرف جاہل ہی کر سکتے ہیں۔

پروفیسر صاحب عبدالحارث کا یہ کہنا کہ اس میں حضور ﷺ کی تعظیم وادب کھڑے ہونے میں ہے تو ہم کہیں گے یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ تعظیم وادب صرف کھڑے ہونے سے ہوتی ہے یا حضور ﷺ کا نام مبارک سنتے ہی کھڑے ہونے سے ہوتی ہے۔

اگر حضور ﷺ کی تعظیم ومحبت وعقیدت کا اظہار ہی کرنا ہے تو یہ صرف اتباع سنت و اطاعت سے ہی ہوسکتا ہے نہ کہ کھڑے ہونے سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعونى يحببكم الله

دوسری جگہ

واطيعوا الله واطيعوا الرسول

عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال كل امتى يدخلون الجنة الا من ابى قالوا من ابى قال من اطاعنى دخل الجنة ومن عصانى فقد ابى

(بخاری ج۲ ص ۱۰۸۱)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری پوری امت جنت میں جائے گی سوائے جس نے انکار کیا صحابہ نے کہا انکار کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا جس نے میری نافرمانی کی وہ انکار ہے۔

اصل تعظیم وادب کھڑا ہونا نہیں بلکہ اصل چیز تو اتباع سنت ہے جس نے اتباع سنت کو اپنایا گویا کہ اس نے پورے دین کو اپنایا۔

آپ کا یہ کہنا کہ حضور ﷺ کا نام آنے سے ہم تعظیماً کھڑے ہوتے ہیں تو دیکھو حضور ﷺ کا نام مبارک ہم اپنی گفتگو میں کئی بار استعمال کرتے ہیں اس وقت ہم کھڑے نہیں ہوتے تقریر کے دوران حضور ﷺ کا نام مبارک کئی مرتبہ لیا جاتا ہے اس وقت بھی کھڑے نہیں ہوتے اذان میں بھی حضور ﷺ کا نام مبارک کئی مرتبہ آتا ہے اس وقت بھی تم بیٹھے رہتے ہو اسی طرح دوسرے مواقع میں بھی آپ کھڑے نہیں ہوتے ان مواقع پر آپ تعظیم کو بھول جاتے ہو کیا تعظیم صرف اجتماعی طور پر کھڑے ہونے سے ہوتی ہے اور وہ بھی مخصوص وقت میں۔

اظہار تعظیم وادب کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی آپ نام مبارک حضور ﷺ کا سنیں یا آپ کا تذکرہ ہو تو فوراً کھڑے ہو جاؤ۔ چاہے خلوت میں ہو چاہے جلوت میں اکیلے ہو یا سب لوگ جمع ہوں چاہے خود پڑھے درود شریف یا دوسرے سے سنے۔

لیکن کوئی بھی اس وقت کھڑا نہیں ہوتا کیا وہاں تعظیم نہیں ہے کیا تعظیم صرف جلوت اور وہ بھی محفل میں ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ یہ تعظیم وادب نہیں ہے بلکہ ریاکاری، خواہش پرستی اور یہ بدعت ہے۔ الصلوٰۃ والسلام وسلامی کھڑے ہوکر پڑھنا کئی بدعات کا مجموعہ ہے۔

(۱) درود شریف کے لیے وقت کی تخصیص (۲) مکان کی تخصیص (۳) اجتماعی ہیئت کی

تخصیص (۴) صورت امامت کی تخصیص (۵) کھڑے ہو کر پڑھنے کی تخصیص (۶) با آواز بلند پڑھنے کی تخصیص۔

ان میں سے ہر ایک فعل مستقل بدعت ہے اس لیے کہ شریعت مطہرہ میں درود شریف کے لیے ان قیود و تخصیصات کا کوئی ثبوت نہیں جس کام کے لیے حضور ﷺ نے کوئی خاص کیفیت اور کوئی خاص طریقہ متعین نہ فرمایا ہو اس کے لیے اپنی طرف سے مخصوص طریقے بنالینا دین میں اختراع اور زیادتی ہے جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ اور حضور کو اس طریقہ کا علم نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر الزام اور اختراع کی وجہ سے بدعت پر سخت وعیدیں وارد ہوئی ہیں۔

اس قسم کی منکرات و بدعات سے مساجد کی خوب حفاظت کے لیے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔

یہ لوگ جو درود و سلام پڑھتے ہیں اس کا ثبوت ہی نہیں یہ جعلی من گھڑت ہے درود شریف سے اس کا دور کا واسطہ بھی نہیں اگر یہی درود و سلام ہوتا جیسا کہ بدعتی لوگ پڑھتے ہیں تو ضرور حضور ﷺ اس کی تعلیم دیتے لیکن یہ مروجہ درود و سلام کو دین سمجھنا اور ثواب کی امید رکھنا یہ دور کی گمراہی ہے۔

اب آیئے احادیث مبارکہ کی طرف حضور ﷺ نے کون سا درود و سلام پڑھنے کی تعلیم دی ہے۔

قال عبداللہ بن مسعود کنا اذا صلینا خلت النبی ﷺ قلنا السلام علی جبرائیل و میکائیل السلام علی فلان و فلان فالتفت الینا رسول اللہ ﷺ فقال ان اللہ ھو السلام فاذا صلی احدکم فلیقل التحیات للہ الصلوات والطیبات السلام علیک ایھا لنبی ورحمة اللہ وبرکاتہ السلام علینا و

علی عباد اللہ الصالحین فانکم اذا قلتموھا اصابت کل عبداللہ صالح فی السماء والارض اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ

(بخاری ج ۱ ص ۱۱۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تو تشہد میں یہ کہتے تھے سلام ہو جبرائیل و میکائیل پر سلام ہو فلاں فلاں پر پس ایک روز حضور ﷺ ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اللہ ہی سلام ہے پس تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو یہ کلمات ادا کریں التحیات للہ الخ آخر تک

دوسری حدیث

عن الحکم قال سمعت ابن ابی لیلی قال لقینی کعب بن عجرہ فقال الا اھدی لک ھدیة خرج علینا رسول اللہ ﷺ فقلنا قد عرفنا کیف نسلم علیک کیف نصلی علیک قال قولوا اللھم صلی علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ال ابراھیم انک حمید مجید اللھم بارک علی محمد و علی ال محمد کما بارکت علی ا ل ابراھیم انک حمید مجید

(مسلم ج ۱ ص ۱۷۵)

حضرت ابن ابی لیلی کہتے ہیں کہ مجھ سے کعب بن عجرہ نے ملاقات کی اور کہا کہ کیا میں تجھ کو وہ چیز ہدیہ میں نہ دوں (ضرور دو پس کعب نے فرمایا) کہ ہمارے پاس ایک مرتبہ حضور ﷺ آئے تو ہم نے کہا کہ ہم نے سلام (سلامی) کا طریقہ سیکھا ہے لیکن درود شریف آپ پر کس طرح بھیجیں تو حضور نے فرمایا کہ اس طرح درود بھیجو اللھم صلی علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ال ابراھیم انک حمید مجید اللھم

بارک علی محمد و علی ال محمد کما بارکت علی ا ل ابراھیم انک حمید مجید

یہ ہے درود وسلام جو خود حضور ﷺ نے درود وسلام پڑھنے کا طریقہ بتلا دیا ہے کہ درود اس طرح پڑھو اور سلام اس طرح پڑھو اور صحابہ نے اس پر عمل کیا اور درود وسلام نبی کا بتلایا ہوا پڑھا کرتے تھے اور اس کے بعد والے بزرگان دین بھی اس طرح درود وسلام پڑھتے رہے اور آج بھی ان کے ماننے والے یہی درود وسلام پڑھتے ہیں۔

دیکھو صحابہ کرام وسلف صالحین دین کے عالم تھے عربی بھی تھے اور شعراء بھی تھے اور وہ فصاحت وبلاغت میں یکتا تھے۔ اگر وہ درود وسلام خود بنا کر پڑھتے تو وہ ایک سے ایک اور عمدہ سے عمدہ نبی پر درود وسلام بنا کر پیش کرتے لیکن انہوں نے بھی درود وسلام نبی پر اگر پیش کیا تو وہ خود نبی کا بتلایا ہوا درود وسلام پڑھتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو تعلیم نبی نے دی درود وسلام پڑھنے کی اس میں اور آج کل بدعتی لوگ جو درود وسلام پڑھتے ہیں اس میں زمین وآسمان کا فرق ہے اگر یہ درود وسلام ہوتا جو بدعتی پڑھتے ہیں اس کی تعلیم ضروری نبی دیتے پس یہ درود وسلام مروجہ من گھڑت ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

پروفیسر صاحب یہ ان کا عقیدہ بن گیا ہے کہ جب میلاد ومحفل ہوتی ہے اس میں حضور ﷺ تشریف لاتے ہیں اور آخر میں سلامی پیش کرتے ہیں کھڑے ہو کر ہم ان سے پوچھتے ہیں جہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں وہاں پر یعنی مدرسوں میں جبکہ قرآن کا درس ختم ہوتا ہے۔ یا حدیث کا درس ختم ہوتا ہے یا فقہ وغیرہ کا درس ختم ہوتا ہے تو وہاں پر نہ تو حضور ﷺ تشریف لاتے ہیں اور نہ یہ لوگ کھڑے ہو کر سلامی پڑھتے ہیں کیا یہ رسمی میلاد دین مدرسوں ودرس قرآن ودرس حدیث سے اونچا مقام رکھتا ہے آپ ان سے پوچھیے کہ آپ کے استاذ نے قرآن کے

اختتام پر کھڑے ہو کر سلامی پڑھائی یا ختم حدیث پر سلامی پڑھائی تو جواب ملے گا نہیں۔

کیا حضور ﷺ درس قرآن اور درس حدیث میں نہیں آتے صرف میلاد میں آتے ہیں۔

گویا کہ حضور ﷺ کے نزدیک قرآن وحدیث کی قدر نہیں جو میلاد کی قدر ہے نعوذ باللہ من ذلک یہ الزام ہے نبی پر اور یہ ان لوگوں کی جہالت کا نتیجہ ہے۔

پروفیسر صاحب محفل میلاد وغیرہ میں حضور ﷺ تشریف لاتے ہیں تو ان کا ادب وتعظیم کا لحاظ تو دیکھیے کہ وہ کس طرح ادب کرتے ہیں۔

قرآن میں آتا ہے

یاایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون

(حجرات)

اے ایمان والو اپنی آواز نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو ورنہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی۔

ایمان والوں سے اللہ فرما رہا ہے کہ میرے محبوب ﷺ سے اپنی آوازوں کو بلند نہ کرو بلکہ آپ کے سامنے اس طرح نہ بولو جس طرح تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے سامنے بولتے ہو اگر اس ادب میں ذرا بھی کمی ہوئی تو یاد رکھو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم کو پتہ تک بھی نہیں چلے گا حاجی صاحب جو حج کو جاتے ہیں اور مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے روضہ پاک پر حاضری دیتے ہیں تو وہاں پر بھی بلند آواز سے پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

پروفیسر صاحب آپ نے حج کیا ہے اور یہ ہی آیت کریمہ روضہ اقدس پر لکھی گئی ہے

آپ نے دیکھی ہوگی۔ وہاں پر بھی بلند آواز سے پڑھنا ممنوع ہے۔ ورنہ سارے اعمال غارت ہوجائیں گے اور تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا یہ لوگ جو محفل میلاد میں کھڑے ہوکر سلامی پڑھتے ہیں اور حضور ﷺ کو حاضر وناظر سمجھ کر کھڑے ہوتے ہیں اگر حضور ﷺ ان مجالس میں آتے ہیں تو پھر ان کو خاموش ہوجانا چاہیے کیونکہ ادب کا تقاضا یہ ہی ہے کہ خاموشی اختیار کریں۔

ہمارے گھر پر اگر کوئی مقتدر عالم آتا ہے تو یا کوئی پیرومرشد یا استاذ آجاتا ہے تو سب کے سب چپ چاپ اور ادب سے بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

لیکن جب حضور ﷺ محفل میلاد میں آجائیں تو کتاب اللہ کی مخالفت کر کے ایسے چیخ چیخ کر سلامی پڑھتے ہیں کہ وضو بھی ٹوٹ جائیں۔ اسی جوش میں سلامی کے درمیان گالیاں بھی دینے لگتے ہیں۔

سنیے!!!

سنیوں کا ہو بول بالا۔ وہابیوں کا ہو منہ کالا۔ یا نبی سلام علیکم

حضور ﷺ کے سامنے بلند آواز سے بولنا بھی منع ہے وہاں پر یہ لوگ حضور ﷺ کو حاضر و ناظر سمجھتے ہوئے بھی ایسی حرکتیں کرتے ہیں۔

پروفیسر صاحب اب آپ فرمائیں اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

پروفیسر صاحب کا فیصلہ

پروفیسر: واقعی یہ لوگ برا کرتے ہیں جو وہ درود وسلام پڑھتے ہیں جو جعلی من گھڑت ہے اس کے ساتھ ساتھ ان کا عقیدہ بھی برا ہے کہ حضور ﷺ تشریف لاتے ہیں اور لاؤڈ اسپیکر کو تیز کر کے پورے علاقے کے لوگوں کی نیندیں حرام کرتے ہیں۔ حالانکہ اس محفل میں چند افراد ہوتے ہیں ان کو ان حرکتوں سے باز آجانا چاہیے تاکہ وہ لوگ گناہ سے بچے اور ہم

آرام سے رہیں۔

سعید: کون سا درود وسلام پڑھنا چاہیے جو حضور ﷺ نے بتلایا وہ یا پھر بدعتیوں والا؟

پروفیسر: جس کی تعلیم حضور ﷺ نے دی ہے وہ درود وسلام پڑھے اور وہ جو درود وسلام پڑھتے ہیں وہ صحیح نہیں ہے اس لیے اس کو آج سے ہی پڑھنا بند کردینا چاہیے۔

عید میلاد النبی منانے کا مسئلہ

سعید: میلاد کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

عبدالحارث: میلاد النبی منانا مستحب ہے اور افضل عبادت ہے۔

سعید: اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ عمل ابتدا سے چلا آرہا ہے؟

عبدالحارث: کیوں نہیں ہر ایک عالم وبزرگ نے اس عمل کو کیا۔

سعید: ہم نے اس عمل کو کسی سلف صالحین کو کرتے ہوئے نہیں پایا اور نہ ہم نے دیکھا ہے کہ انہوں نے اس کی تعلیم دی ہو اور اگر اس کا ثبوت مل جائے تو بہتر رہے گا۔

عبدالحارث: یہ آپ کی کم علمی کا نتیجہ ہے حالانکہ ہر دور میں اس کو اپنایا گیا اور اچھا مانا گیا۔

سعید: تو پھر کیا وجہ ہے یہ تسلسل سے چلا آرہا ہے اور ہم نہ اس کو معتبر کتابوں میں پاتے ہیں؟

عبدالحارث: میں نے کہا نا آپ کا مطالعہ وسیع نہیں ورنہ آپ کو اس کا ثبوت مل جاتا امت کے علماء نے اپنی کتابوں میں اس کو اچھے انداز سے بیان کیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے۔

سعید: تو پھر ہم کو اس کا ثبوت چاہیے۔

عبدالحارث: قرآن میں آتا ہے

قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا

یعنی کے فضل ورحمت پر خوشیاں مناؤ

اس آیت سے میلاد النبی ثابت ہے کیونکہ اللہ نے فضل ورحمت پر خوشیاں منانے کا حکم

حدیث یہ ہے

من قال فی القرآن برایه مقعده من النار (قال الامام الترمذیؒ) هذا حدیث حسن

(ترمذی ج۲ص۱۱۹)

ان بدعتیوں کو اس حدیث پر نظر رکھنی چاہیے۔ اب ہم امت کے علماء کی تفاسیر کو بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فضل ورحمت سے کیا مراد لیا ہے۔

علامہ ابن جوزیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ان فضل الله "الاسلام" ورحمته "القرآن"

(زادالمسیر ج۴ص۳۱)

فضل سے مراد اسلام ہے اور رحمت سے مراد قرآن ہے اگر خوشیاں منانی ہے تو اسلام جو ہمارا دین اور قرآن ہمارے ہدایت کے لیے نازل ہوا ہے اس پر خوشیاں مناؤ۔

امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں

واخرج ابن جریر والبیهقی عن هلال بن یسار قل بفضل الله وبرحمته قال فضل الله "الاسلام" ورحمته "القرآن"

(الدرر المنثور ج۴ص۳۶۸)

فضل سے اسلام اور رحمت سے قرآن مراد ہے۔

امام جریر طبریؒ لکھتے ہیں

بفضل الله وهو الاسلام و برحمته وذلک القرآن

(تفسیر طبری ج۷ص۱۶۱)

علامہ زحیلیؒ لکھتے ہیں

بفضل الله هو الاسلام و برحمته هی انزل القرآن

(التفسیر المنیر ج۱۱ص۱۹۹)

علامہ شوکانیؒ لکھتے ہیں

قال فضله الاسلام و رحمته القرآن

(فتح القدیر ج۲ص۴۵۶)

علامہ قاضی اندلسیؒ لکھتے ہیں

قال بعض المتاولین وهو هلال بن یساف و قتادة والحسن وابن عباس: الفضل الاسلام، الرحمة القرآن.

(المحرر الوجیز ج۳ص۱۲۶)

تفسیر جلالین میں ہے:

قل بفضل الله الاسلام و برحمته القرآن

(جلالین ص۱۷۵)

نعیم الدین مرادآبادی بریلوی اس آیت کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کسی پیاری اور محبوب چیز کے پانے سے دل کو جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کو فرح کہتے ہیں معنی یہ ہے کہ ایمان والوں کو اللہ کے فضل ورحمت پر خوش ہونا چاہیے کہ اس نے انہیں مواعظ اور شفا صدور اور ایمان کے ساتھ دل کی راحت وسکون عطا فرمائے۔ حضرت ابن عباس وحسن وقتادہ نے کہا کہ اللہ کے فضل سے اسلام ورحمت سے قرآن مراد ہے ایک قول یہ ہے کہ فضل سے قرآن اور رحمت سے احادیث مروی ہیں۔

(کنزالایمان مع تفسیر مرادآبادی ص۳۸۷)

ان کی تفسیر سے بھی عید میلاد النبی ثابت نہیں ہوتی اور صاف واضح طور پر تصریح کی ہے کہ فضل سے اسلام اور رحمت سے قرآن مراد ہے نہ کہ ولادت نبی کہ اس پر خوشیاں مناؤ۔

تمام مفسرین نے فضل سے اسلام اور رحمت سے قرآن مراد لیا ہے اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں۔

امام المفسرون وقالوا فضل الله الاسلام و رحمة القرآن

(تفسیر رازی ج ۹ ص ۱۲۴)

علامہ واحدیؒ لکھتے ہیں:

فضل الله الاسلام والرحمة القرآن وهذا قول عامة المفسرين

(الوسیط ج ۲ ص ۵۵۱)

امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کے ضمن میں کیا خوب تفسیر کی ہے اس کو بھی پڑھتے ہیں۔ سنیے

ای بهذا جاء هم من الله الهدى و دين الحق فليفرحوا فانه اولى مايفرحون به

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۲)

یعنی یہ لوگ جس چیز پر خوشیاں مناتے ہیں اس سے بہتر خوشی کا مقام یہ ہے کہ جو اللہ کی طرف سے قرآن ہدایت و دین حق آیا ہے اس پر خوشیاں مناتے

پروفیسر صاحب امام ابن کثیر کا قول سن لیا کیا خوب کہا ہے۔شعر

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

اگر ہم لوگ سچے دین کو چھوڑیں گے اور لوگوں کے بنائے ہوئے دین پر چلیں گے تو گمراہی جہالت ذلت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

عبدالحارث نے قرآن کی ایک آیت لقد جاءکم رسول من انفسکم الخ پیش کی ہے اس سے بھی عید میلاد النبی کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے لیکن جب ہم نے تفاسیر کی طرف رجوع کیا اور اس آیت کی تفسیر کو کھنگالا تو اس کے برعکس معلوم ہوا۔

اب ہم آپ کے سامنے چند تفاسیر کا ذکر کرتے ہیں جن میں مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر کس انداز سے کی ہے۔

لقد جاء كم رسول من انفسكم (تعرفون نسبه و حسبه قال السدى من العرب من بنى اسرائيل) عزيز عليه (شديد عليه) ما عنتم (قال القتيبى و ضركم وقال ابن عباس ما ضللتم و قال الضحاک والكلبى ما اتممتم) حريص عليكم (اى على ايمانكم و صلاحكم وقال قتاده حريص عليكم اى على ضالكم ان يهديه الله

(بغوی ج ۲ ص ۳۴۱)

اس آیت وتشریح میں کہیں عید میلاد النبی منانے کا ذکر نہیں حتی کہ ولادت کا بھی ذکر نہیں۔

بلکہ اللہ رب العزت فرمارہے ہیں کہ ایک رسول تمہارے پاس آیا ہے اس کی بات مانو اور جو ہدایت لے کر آیا ہے اس ہدایت پر آجاؤ اگر تم نے انکار کردیا تو تمہارے لیے ہی بدبختی ہوگی۔اور رسول تمہارے قوم کا ہے اور تم ان کا حسب ونسب جانتے ہو کہ وہ عربی ہے۔

اگر رسول تم میں سے نہ ہوتا تو تم لوگ اعتراض کرتے اس کے نسب وحسب پر اس کی زندگی پر اور ان کی زبان پر کہ ہم اس کو نہیں جانتے اور اس کی زبان ونسب وحسب کو نہیں جانتے تو ہم اس کی بات پر کیسے یقین کریں اس نے ہمارے ساتھ زندگی نہیں گزاری اس

کے اخلاق ومعاملات کیسے ہیں ہم کیسے ان کی بات کو مانیں۔

اسی اعتراض کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ اس آیت میں ذکر فرما رہا ہے کہ یہ رسول تمہارے پاس آیا ہے وہ کوئی اجنبی نہیں کوئی حسب ونسب پر اعتراض نہیں اس کی زندگی تمہارے سامنے ہے اور جو آپ کو دین کے متعلق کہہ رہا ہے اس کی بات مانو اور ہدایت پر آ جاؤ۔

کیونکہ رسول حریص علیکم ہے رسول چاہتا ہے کہ تم ہدایت پر آ جاؤ اور جو تم لوگ گمراہی میں مبتلا ہو اللہ تم کو ہدایت سے نوازے یہ ہی اس آیت کا مفہوم ہے اور علماء نے اسی انداز سے تفسیر کی ہے یہ مفہوم نہیں لیا کہ تم محفل سجاؤ۔ نعت خوانی کرو۔ میلاد مناؤ اور بے جا اسراف کرو اور بجلی چوری کرو نبی کے نام پر۔

جلالین میں آیت کی تفسیر اس طرح موجود ہے۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم (ای منکم محمد ﷺ) عزیز (شدید) علیہ ماعنتم (ای عنتکم ای مشقتکم ولقاء کم المکروہ) حریص علیکم (ان تھتدوا)

(جلالین ص ۱۶۹)

اس آیت کی تفسیر میں بھی کہیں عید میلاد النبی کا ذکر ہے نہ ولادت کا۔

علامہ زحیلیؒ اس طرح تفسیر کرتے ہیں۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم (منکم جنسکم وھو محمد ﷺ) حریص علیکم (ان تھتدوا) (الی) حریص علی ھدایتکم وایصال الخیرات الیکم فی الدینا والآخرۃ

(التفسیر المنیر ج ۱۱ ص ۸۸)

اس تشریح میں بھی حضور ﷺ انہی میں سے یعنی انہیں کی جنس میں سے ہیں اور رسول

چاہتا ہے کہ تم ہدایت پر آ جاؤ جس کی وجہ سے تم کو دنیا و آخرت میں بھلائی ملے گی یہ بتایا جا رہا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

من انفسکم (ای منکم وبلغتکم) حریص علیکم (ای علی ھدایتکم)

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۶۶)

حضور ﷺ تم میں سے ہے اور جو تمہاری زبان ہے وہ ہی رسول کی زبان ہے اور رسول یہ ہی چاہتا ہے کہ تم لوگ ہدایت پر آ جاؤ۔

علامہ صاویؒ نے حریص علیکم کی تفسیر اس طرح کی ہے۔

ای یحافظ علی ھداکم لتکون لکم السعادۃ الکاملۃ

(حاشیۃ الصاوی علی جلالین ج ۲ ص ۱۷۶)

یعنی رسول تو تمہاری ہدایت کا نگہبان ہے تاکہ تم کو پوری سعادت حاصل ہو۔

ان تمام تفاسیر میں کہیں عید میلاد النبی کا ذکر نہیں اور نہ کہیں چراغاں کرنا نعت خوانی کرنے کا ذکر ہے۔

اور جن آیت سے ایسی چیزیں ثابت کریں تو کتنی بد نصیبی کی بات ہوگی۔

اب آیئے احادیث کی طرف اس نے حضرت عباس کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

ہم ان سے پوچھتے ہیں کیا حضور ﷺ ہر سال اسی طرح منبر پر تشریف لا کر اپنا حسب نسب کو بیان کرتے تھے اور ہر سال کیا اپنی ولادت کے دن خود حضور ﷺ اور صحابہ خوشی کا اظہار کرتے تھے؟ کیا صحابہ کرام ہر سال محفل سجاتے تھے اور چراغاں بھی کرتے تھے؟ اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے؟

یہ صاف حدیث میں ہے کہ جب کفار ومشرکین نے حضور ﷺ کے حسب ونسب پر لعن

طعن کیا اور حضرت عباس نے اس طعن کو سنا تو حضورﷺ کے پاس آئے اور پورا قصہ سنایا تو تب حضورﷺ منبر پر تشریف فرما کر اس طعن کا جواب دیا اور صفائی پیش کی۔

یہ کوئی میلاد یا محفل نعت نہ تھی بلکہ اس طعن کا جواب دینا تھا ملا علی قاریؒ نے اس حدیث کی جو تشریح کی ہے اس کو آپ کے سامنے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ واضح ہو جائے حقیقی پس منظر کیا ہے۔

وعن العباس انه جاء (ای غضبان) الی النبی ﷺ فکانه سمع شیئا (ای من الطعن فی نسبه او حسبه) فقام النبی ﷺ علی المنبر الخ

(مرقات ج ۱۱ ص ۵۷)

یعنی حضرت عباسؓ حضورﷺ کے پاس آئے غصہ کی حالت میں جب اپنے حسب یا نسب میں کچھ طعن سنا تو پھر حضورﷺ منبر پر کھڑے ہوئے (اس طعن کا جواب دیا)

اگر حضرت عباس حضورﷺ کو اس کی اطلاع نہ کرتے تو کیسے منبر پر کھڑے ہو کر حضور ﷺ اس کا جواب دیتے جب اطلاع کی تب ہی حضورﷺ نے اپنے حسب و نسب کو بتایا ورنہ کیسے بتاتے۔

عبدالحارث کا یہ کہنا کہ حضورﷺ و صحابہ و بزرگان دین نے میلاد کو منایا ہے۔

اس پر اعتراض ہوتا ہے جب یہ تسلسل سے چلا آرہا ہے تو تاریخ ولادت میں اختلاف کیوں ہو رہا ہے اس میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے تھا بلکہ ایک ہی تاریخ ولادت ہونی چاہیے تھی۔ تاریخ ولادت کے اختلافات اس بات پر دال ہیں کہ میلاد النبی ابتدائی دور سے نہیں چلی آرہی بلکہ یہ بعد کی پیداوار ہے اور یہ بعد میں ایک بادشاہ نے اس کو رائج کیا ہے۔

اب ہم ولادت نبی کو ذکر کرتے ہیں کون سی تاریخ کو آپ کی ولادت ہوئی چند اقوال پیش خدمت ہے۔

(۱) 2 ربیع الاول کو آپ کی ولادت ہوئی اس قول کو علامہ حافظ ابن عبدالبر اور علامہ

واقدی نے لیا ہے۔ (۲) 8 ربیع الاول کا ہے امام حمید کا و ابن حزم و مالک و یونس بن یزید امام زہری و محمد بن جبیر حافظ کبیر و محمد بن موسی وغیرہ نے اس کو درست قرار دیا ہے۔ حتی کہ حافظ ابوالخطاب بن دحیہ جس نے سب سے پہلی کتاب میلاد النبی پر لکھی ہے اس نے بھی یہی قول لیا ہے۔ (۳) 10 ربیع الاول کا ہے حافظ ابن عساکرؒ نے ابو جعفر الباقرؒ اور مجاہدؒ نے شعبیؒ سے یہ قول لیا ہے۔ (۴) 12 ربیع الاول کی ہے یہ ابن اسحاق کا قول ہے اور ابن ابی شیبہؒ نے عفان۔ عید بن مینا جابر اور ابن عباس سے یہ ہی قول لیا ہے (۵) 9 ربیع الاول کا ہے مصر کے مشہور ماہر فلکیات محمود پاشا نے بدلائل یہ ثابت کیا ہے کہ رسول اللہﷺ کی ولادت باسعادت 9 ربیع الاول کو ہوئی۔

(ماخوذ مختصر السیرۃ النبی ابن کثیر ج ۱ ص ۱۴۳)

یہ چند نمونے تاریخ ولادت ذکر کیے ہیں اور مزید وہاں دیکھا جائے جب یہ اختلاف تاریخ ولادت میں پایا گیا تو کیسے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہر دور میں میلاد النبی منایا گیا۔

جب ہم کتابوں کو کھنگالتے ہیں تو چھ صدیوں کو عید میلاد النبی سے خالی پاتے ہیں چھ سو سال کے بعد یہ بدعت رائج ہوئی۔ یہ بدعت ۶۰۴ میں ایک بادشاہ مظفر الدین کوکری کے حکم سے موصل کے شہر میں ایجاد ہوئی۔

(دیکھیے تاریخ ابن خلکان ۶۰۴ کے واقعات میں)

شیخ اسماعیلؒ لکھتے ہیں

قال السخاویؒ لم یفعله احد من القرون الثلاثة

(روح البیان ج ۹ ص ۵۶)

یعنی تینوں زمانوں میں (صحابہ تابعین و تبع تابعین کے دور میں) کسی نے بھی (عید میلاد النبی) اس کو نہیں کیا۔

اسی طرح آگے لکھتے ہیں

اول من حدثه من الملوک صاحب اربل

(روح البیان ج۹ ص۵۷)

سب سے پہلے اس بدعت کو صاحب اربل (مظفر الدین کوکری) کے بادشاہ نے ایجاد کیا۔

امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں۔

اول من احدث ذلک صاحب اربل الملک المظفر

(الحاوی للفتاوی ج۱ ص۱۸۹)

یہ بدعت سب سے پہلے المظفر بادشاہ کے دور میں ہوئی۔ اسی طرح امام احمد بن محمد مصری مالکیؒ لکھتے ہیں۔

کان ملکا مسرفا یامر علماء زمانه ان یعملوا باستنباطهم و اجتهادهم وان لا یتبعوا لمذهب غیرهم حتی مالت الیه اجماعة من العلماء و طائفة من الفضلاء ویحتفل لمولد النبی ﷺ فی الربیع الاول وهو اول من احدث من الملوک هذا العمل

(القول المعتمد بحوالہ منہاج الواضح ص۱۶۲)

وہ ایک مسرف بادشاہ تھا علماء زمانہ سے کہا کرتا تھا کہ وہ اپنے استنباط اور اجتہاد پر عمل کریں اور غیر کے مذہب کی پیروی نہ کریں حتی کہ (دنیا پرست) علماء اور فضلاء کی ایک جماعت اس کی طرف مائل ہوگئی اور وہ ربیع الاول میں میلاد النبی منعقد کیا کرتا تھا۔

بادشاہوں میں سے وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ بدعت گھڑی امام ذہبی اس بادشاہ کے بارے میں لکھتے ہیں

کان ینفق کل سنة علی المولد النبی ﷺ نحو ثلاث مائة الف

(دول الاسلام ج۲ ص۱۰۳)

وہ ہر سال میلاد النبی پر تقریبا تین لاکھ روپیہ خرچ کیا کرتا تھا۔

یہ ہے وہ بادشاہ جس نے سب سے پہلے اس عمل پر لوگوں کو جمع کیا اور بیت المال اور رعایا کی لاکھوں کی رقم اس بدعت اور جشن پر صرف کی۔ اور جس مولوی نے اس بادشاہ کا ساتھ دیا اور میلاد پر سب سے پہلی کتاب لکھی اس کا نام ابوالخطاب عمرو بن دحیہ ہے اس کتاب کے صلہ میں بادشاہ نے اس کو ایک ہزار روپیہ بھی دیا اور یہ مولوی علماء کی شان میں گستاخیاں کرتا تھا۔

اس کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں

کثیر الوقیعه فی الائمة وفی السلف من العلماء خبیث اللسان احمق شدید الکبر قلیل النظر فی امور الدین متهاونا

(لسان المیزان ج۵ ص۱۶۹ میزان الاعتدال ج۵ ص۲۲۴)

وہ ائمہ دین اور سلف کی شان میں بہت ہی گستاخی کیا کرتا تھا گندی زبان کا مالک تھا بڑا احمق اور متکبر تھا دین کے کاموں میں بڑا بے پروا اور سست تھا۔

اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں

وقال ابن النجار رایت الناس یجتمعین علی کذبه و ضعه وادعائه سماع مالم یسمعه

(لسان المیزان ج۵ ص۱۶۸)

ابن نجار فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں کو اس کے جھوٹ اور ضعف پر متفق پایا ہے اور

حدیث سماع کا دعویٰ کیا کرتا تھا حالانکہ سماع ثابت نہ ہوتی۔

اس کی مثال امام ذہبیؒ دیتے ہیں

ذکر انہ حدثہ بالمؤطا عالیا ابو الحسن بن حنین الکنانی و ابن خلیل القیسی فاما ابن خلیل فانہ سکن مراکش و فاس و کان ابن دحیہ بالاندلس فکیف لقیہ او سمع منہ وکذلک ابن حنین فانہ خرج عن الاندلس ولم یعد بل سکن مدینہ فاس ومات بھا سنۃ تسع و ستین و خمس مائۃ

(میزان الاعتدال ج ۵ ص ۲۲۴)

ابن دحیہ نے مؤطا کی سند کو ابوالحسن بن حنین اور ابن خلیل سے سماع کیا ہے کہ اس کی سند عالی ہے (امام ذہبی لکھتے ہیں) ابن خلیل مراکش اور فاس میں سکون پذیر تھے اور ابن دحیہ اندلس میں پس ان سے ملاقات اور سماعت کیسی ہوئی اسی طرح ابن حنین اندلس سے چلا گیا تھا اور پھر واپس نہیں آیا بلکہ فاس میں سکون پذیر تھا اور اس کا انتقال ۵۶۹ میں ہوا۔

(ابن دحیہ کا ۶۳۳ھ میں)

ونصف لہ ابن دحیہ کتابا فی المولد سماہ التنویر بمولد البشیر النذیر فاجازہ بالف دینار

(روح البیان ج ۹ ص ۵۷)

ابن دحیہ نے ولادت پر ایک کتاب تنویر بمولد البشیر النذیر نامی لکھی اس پر اس کو ایک ہزار دینار دیے۔

امام جلال الدین السیوطیؒ لکھتے ہیں

وقد صنف لہ الشیخ ابو الخطاب ابن دحیہ مجلدا فی المولد النبی

سماہ التنویر فی مولد البشیر النذیر علی ذلک بالف دینار

(الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۱۹۸)

پروفیسر صاحب آپ نے بادشاہ اور درباری مولوی کے اوصاف کو دیکھ لیا وہ کن اوصاف کے مالک تھے کس طرح وہ لوگوں کو مکر وفریب میں مبتلا کرتے تھے۔

اب چند فتاوی کو سنیئے علماء نے محفل میلاد کے بارے میں کیا کہا

وقد سئل شیخ الاسلام حافظ العصر ابو الفضل احمد بن حجر عن عمل المولد فاجاب بما نصہ اصل عمل المود بدعۃ لم تنقل عن احد من السلف الصالح

(الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۱۹۹)

ابن حجر سے میلاد کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ بدعت ہے اس کی کوئی اصل نہیں اور کسی بزرگان دین سے یہ منقول نہیں۔

علامہ شیخ تاج الدینؒ کا فتوی

ان عمل المولد بدعۃ مذمومہ

(الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۱۹۰)

میلاد منانا بدعت مذمومہ ہے

علامہ ابن عابدینؒ کا فتوی

واقبح منہ النذر بقراءۃ المولد فی المنایر و مع اشتمالہ علی الغناء واللعب وایھاب ثواب ذلک الی حضرۃ المصطفی ﷺ

(شامی ج ۲ ص ۴۴۰)

برا ہے منت کرنا مولد کے پڑھنے کا میناروں میں کہ اس میں راگ اور لعب ہوتا ہے اور

اس کا ثواب حضور ﷺ کو بخشا جاتا ہے۔

علامہ ابن امیر الحاج مالکیؒ کا فتوی

ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذلک من اکبر العبادات و اظهار الشعائر ما یفعلونه فی لشهر الربیع الاول من المولد وقد احتوی ذلک علی بدع و محرمات (الی) وهذی المفاسد مترتبه علی فعل المولد اذا عمل بالسماع فان خلامنه و عمل طعاما فقط ونی به المولد و دعا الیه الاخوان و سلم من کل ما تقدم ذکره فهو بدعة بنفس نیته فقط لان ذلک زیادة فی الدین ولیس من عمل السلف الماضین و اتباع السلف اولی

(مدخل ج ۱ ص ۸۵ الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۹۵ ـ ۱۹۳)

لوگوں کی ان بدعتوں اور نئی ایجاد میں سے جن کو وہ بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو شعائر اسلام کا اظہار کرتے ہیں ایک مجلس میلاد بھی ہے جس کو وہ ماہ ربیع الاول میں کرتے ہیں اور یہ بہت سی بدعات اور محرمات پر مشتمل ہے (آگے لکھتے ہیں) اور مجلس میلاد پر یہ مفاسد اس صورت میں مرتب ہوتے ہیں جبکہ اس میں سماع ہو اگر مجلس میلاد سماع سے پاک ہو اور صرف بہ نیت مولود کھانا تیار کرلیا ہو اور بھائیوں اور دوستوں کو اس کے لیے بلایا جائے اور تمام مذکورہ بالا مفاسد سے محفوظ ہو تبھی وہ صرف نیت (عقد مجلس میلاد) کی وجہ سے بدعت ہے اور دین کے اندر ایک جدید امر کا اضافہ کرنا ہے جو سلف صالحین کے عمل میں نہ تھا حالانکہ ان کی اتباع کرنا ہی اولی ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں

هذا المولد اصلا فی کتاب ولا سنة ولا ینقل عمله عن احد من علماء الامة

(الی) بل بدعة احدثها البطالون و شهوة نفس المتمنی بها الا کالون (الی) ولا جائز ان یکون مباحا لان الابتداع فی الدین لیس مباح باجماع المسلمین

(الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۱۹۰)

میلاد نہ قرآن وسنت اور نہ علماء امت سے منقول ہے (آگے لکھتے ہیں) بلکہ یہ بدعت اس کو باطل لوگوں نے ایجاد کی ہے اور شہوت پسند لوگوں نے یعنی پیٹوں نے (آگے لکھتے ہیں) اور جائز نہیں کہ یہ مباح ہو جائے اس لیے کہ باجماع المسلمین دین میں بدعت مباح بھی نہیں ہو سکتی۔

علامہ عبدالرحمن مغربیؒ کا فتوی

ان عمل المولد بدعة لم یقل به ولم یفعل رسول الله ﷺ والخلفاء والائمه کذا فی الشرعة الالهیه

میلاد کرنا بدعت ہے نہ تو حضور ﷺ نے کیا نہ تو صحابہ نے کیا اور نہ ائمہ نے اور نہ اس کا حکم دیا ہے۔

علامہ شرف الدین حنبلیؒ فرماتے ہیں

ان مایعمل بعض الامراء کل سنة احتفالا لمولده ﷺ فمع اشتماله علی التکلفات الشنیعة بنفسه بدعة احدثه من یتبع هواه ولا یعلم ما امره ﷺ صاحب الشریعة ونهاه (کذا فی القول المعتمد)

یہ جو بعض امراء ہر سال نبی کریم ﷺ کی میلاد پر جشن مناتے ہیں تو اس میں علاوہ اس کے کہ تکلفات شنیعہ ہیں بنفسہ بدعت ہے جس کو اس نے ایجاد کیا ہے جو اپنے خواہش کی پیروی کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ نبی کریم ﷺ نے اس کو کیا حکم دیا ہے جو صاحب شریعت تھے اور آپ نے اس کو منع فرمایا۔

قاضی شہاب الدینؒ کافتوی

سئل القاضی عن مجلس المولد الشریف قال لا ینعقد لانہ محدث وکل محدث ضلالۃ وکل ضلالۃ فی النار و مایفعلون من الجھال علی راس کل حول فی شھر ربیع الاول لیس بشئی عند ذکر مولدہ ﷺ ویزعمون ان روحہ ﷺ یجیئی و حاضر فزعمھم باطل بل ھذا الاعتقاد شرک و قد منع الائمہ مثل ھذا

(تحفۃ القضاۃ)

قاضی سے مجلس مولود شریف کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا یہ نہ کی جائے اس لیے کہ یہ بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں جانے والی ہے اور یہ جو جاہل لوگ ربیع الاول کے مہینہ میں ہر سال کی ابتداء پر کرتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں اور وہ ذکر ولادت کے وقت کھڑے ہوتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ آپ کی روح تشریف لاتی ہے اور حاضر ہوتی ہے تو یہ خیال باطل ہے ان کا بلکہ یہ اعتقاد شرک ہے اور ائمہ نے اس کو اور اس جیسے کاموں کو منع کیا ہے۔

علامہ احمد بن محمد مصریؒ لکھتے ہیں

قد اتفق علماء المذاھب الاربعۃ بذم ھذا العمل (القول المعتمد)

چاروں مذہب کے علماء اس عمل میلاد کی مذمت پر متفق ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں

لم یرد فیہ نص ففیہ القیاس

(الحاوی للفتاوی ج ا ص ۱۹۲)

اس پر کوئی نص موجود نہیں ہے (یعنی عید میلاد النبی نہ قرآن اور نہ حدیث سے ثابت

ہے) بلکہ اس کو قیاس سے ثابت کرتے ہیں۔

پروفیسر صاحب علماء کی ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ عید میلاد النبی نہ حضور ﷺ نے منائی اور نہ صحابہ وسلف صالحین نے بلکہ یہ بدعت ہے۔ یہ باطل اور پیٹوں لوگوں نے اس کو اپنایا تو یہ دین کیسے ہوسکتا ہے۔

آگے سنیئے۔

یہ لوگ محفل میلاد میں کیا کیا رنگ روپ اپناتے ہیں اور کس قسم کے اشعار کو راگ ولعب میں پڑھتے ہیں ذرا اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔

شعر

ہے محشر میں کافی وسیلہ تمہارا
تم آقا ہو میرے میں بندہ تمہارا

اس شعر میں رسول اللہ ﷺ کا بندہ اپنے آپ کو بنایا ہے حالانکہ یہ شعر قرآن وحدیث سے صریح مخالف ہے جیسا کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے

ماکان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم و النبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین

کسی بشر سے یہ بات نہیں ہوسکتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب فہم اور نبوت دے پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ خدا کو چھوڑ کر تم میرے بندے بن جاؤ بلکہ یوں کہے گا کہ تم اللہ والے بن جاؤ۔

اور حدیث میں آتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔

لایقولن احدکم عبدی و امتی کلکم عبیداللہ

(مسلم ج ا ص ۲۳۸)

کہ تم میں سے کوئی یوں نہ کہے کہ میرا بندہ اور میری بندی تم سب اللہ کے بندے ہو۔

دوسری حدیث میں

حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔

(بخاری کتاب المغازی)

وعن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ ابن مریم فانما انا عبدہ فقولوا عبداللہ ورسولہ (متفق علیہ، مشکوۃ صفحہ ۴۱۷)

حضرت عمرؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ میری مدح وتعریف میں حد سے تجاوز نہ کرو جس طرح نصاریٰ نے ابن مریم (کی تعریف میں) حد سے تجاوز کیا، میں تو خدا کا بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھ کو اللہ کا بندا اور اس کا رسول ہی کہو۔

دیکھیں خود حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں جب رسول اللہ کا بندہ ہے تو پھر کیا رسول کا کوئی بندہ بھی ہوسکتا ہے ہرگز نہیں لیکن بریلوی اپنے آپ کو رسول کا بندہ بناتے ہیں۔

ندا تھی کہ سرکار تشریف لاؤ
دو عالم کے مختار تشریف لاؤ
زمین کو بھی عزت ہو عرش علا کی
دکھا جاؤ بندوں کو صورت خدا کی

اس شعر میں اللہ تعالیٰ کی شکل ثابت کی جارہی ہے اور حضور ﷺ کی شکل مبارک اللہ تعالیٰ کے برابر بتائی جارہی ہے کیا یہ کفریہ اشعار نہیں۔

اس پر ایک مسئلہ بھی سنتے جائیں۔

جس نے اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کو کسی مخلوق کی صفت سے مشابہ کیا وہ اللہ سے کافر ہوا۔

(عین الہدایہ ج ا ص ۴ عقائد کا بیان)

شعر

یوسف بھی ان کی غلامی میں ہے
دیکھا دیکھا زلیخا ہمارا نبی ہے

اس شعر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو نبی کریم ﷺ کا غلام ثابت کیا گیا ہے اور حدیث میں اس طرح کہنے کی ممانعت فرمائی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ

لاتخیروا بین الانبیاء

(بخاری ج ا ص ۳۲۵)

تم لوگ باہم انبیاء میں ایک دورے پر فضیلت نہ دیا کرو

شعر

پردہ انسان میں آکر دکھانا تھا جمال
رکھ لیا نام محمد تاکہ رسوائی نہ ہو

اس شعر میں حضور ﷺ کی پیدائش مبارک کو اللہ تعالیٰ کا اوتار بتادیا۔

کیا یہ کلمات کفریہ نہیں ہم یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح نہیں کہ ہم کہیں خدائے پاک حضور ﷺ کی صورت میں ظاہر ہوا تھا۔

کیونکہ یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

شعر

عرب میں چاند نکلے گا جہاں میں روشنی ہوگی
بتوں کے ملک میں اللہ والا ہونے والا ہے

اس شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک حضور ﷺ کی پیدائش نہیں ہوئی اب پیدا

ہونے والے ہیں۔

یہ چند اشعار نمونے کے طور پر پیش کیے ہیں۔ جو زبان پر آیا نکال دیا اور جو دل میں اس کو اگل دیا کچھ سوچتے نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں بے دھڑک ایسے اشعار پڑھ لیتے ہیں۔

یہ ہے محفل میلاد کیا حضور ﷺ ایسے محافل میں آتے ہیں یا ایسے کلمات ہیں جو کہ کفریہ پر مشتمل ہیں۔

اسی وجہ سے علماء حنفیہ کا یہ فتوی ہے کہ

اکثر جاہل میلاد خواں ایسے اشعار پڑھتے ہیں کہ ان اشعار کے کفریہ ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں اور حرام سے کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

(عین الہدایہ ج ۴ ص ۲۲۴)

دوسرا فتوی

جو لوگ میلاد میں راگ کے اشعار پڑھتے ہیں تو پڑھنا اور سننا حرام ہے اور پڑھنے والوں پر خوف شدید ہے (کفر کا)

(عین الہدایہ ج ۴ ص ۲۲۴)

ان حضرات کو اس فتوے پر نظر رکھنی چاہیے۔

عبدالحارث: پھر تو وہابی لوگ بھی بدعتی ہوئے اس لیے کہ وہ لوگ بھی جلسہ کرتے ہیں جلوس نکالتے ہیں مدارس وغیرہ پر محافل کرتے ہیں کیا یہ تمہارے لیے جائز ہے؟

سعید: اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ان چیزوں کو دین کے ارکان میں سے نہیں سمجھتے اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو اس میں شریک ہوا تو اس کا ہی ایمان کامل ہے اور جو شامل نہیں ہوا تو اس کا ایمان ناقص رہے گا اور نہ ہم اس کو شعائر اسلام میں سمجھتے ہیں اور نہ ہم اس کو اتنی اہمیت دیتے ہیں جتنی اہمیت دوسرے ارکان اور شعائر اسلام کو دیتے ہیں اور نہ ہم ان کو فرض سمجھتے ہیں نہ واجب نہ سنت اس کے برعکس تمہارا جلوس نکالنا عید میلاد النبی منانا چراغاں کرنا محفل

میلاد کرنا وغیرہ یہ سب تمہارے نزدیک دین ہے اس کو اتنی ہی اہمیت دی جاتی ہے جتنی شعائر اسلام اور دین ارکان کو دی جاتی ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان چیزوں کو اہمیت دیتے ہیں۔

جیسا کہ علامہ ابن امیر الحاج مالکیؒ نے لکھا ہے

ان ذلک من اکبر العبادات و اظهار الشعائر مایفعلو نه فی الشهر الربیع الاول من المولد

(مدخل ج ۱ ص ۸۵) الحاوی للفتاوی ج ۱ ص ۱۹۳)

جس کو وہ بڑی عبادات سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو شعائر اسلام کا اظہار کرتے ہیں ایک مجلس میلاد بھی ہے جس کو وہ ماہ ربیع الاول میں کرتے ہیں۔ یہ ہی تمہارے نزدیک سب سے بڑی عبادت ہے اسی کو تم لوگ سب سے بڑی عید کہتے ہو اور کہتے ہیں کہ اگر اسلام میں کوئی عید ہے تو وہ عید میلاد النبی ہے۔

حالانکہ اس عید کا تصور سابقہ ادوار میں نہیں تھا بقول آپ کے سب سے بڑی عید اسلام میں عید میلاد النبی ہے اگر یہ ہی سب سے بڑی عید ہوتی تو حضور ﷺ اس کو اپناتے صحابہ اس کو اپناتے، سلف صالحین اس کو اپناتے اور اس کے بارے میں کوئی اقوال ملتے کچھ فضائل ملتے اور اس دن کوئی عمل کرنے کو ملتا کسی حدیث میں کسی فقہ وغیرہ کی کتب میں جیسا کہ عید الفطر و عید الاضحیٰ کے بارے میں احادیث و فقہ وغیرہ کی کتب میں اس کے فضائل اور اس کے مسائل وغیرہ ملتے ہیں اگر عید میلاد النبی ہوتی تو اس کے بارے میں بھی کچھ ملتا۔ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں ملتا اس سے معلوم ہوا یہ بعد کی پیداوار ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔

اسلام میں اگر عید ہے تو عید الفطر و عید الاضحیٰ ہے اس کے علاوہ اسلام میں کوئی عید نہیں۔

جیسا کہ امام بخاری نے باب باندھا ہے۔

باب سنة العیدین لاهل الاسلام (بخاری ج ۱ ص ۱۳۰)

یعنی اہل اسلام کے لیے دو عیدیں ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل اسلام کے لیے دو عیدیں ہیں اور جو اہل اسلام میں سے نہیں ہے اس کے لیے عیدیں کم ہیں یا پھر زیادہ ہیں دو نہیں ہیں۔ جیسا کہ بریلوی حضرات کے نزدیک عیدیں تین ہیں دو نہیں بلکہ عید میلاد النبی ان کے نزدیک بڑی عید ہے گویا کہ وہ ہی اصل عید ہے۔

عیدیں دو ہیں عید الفطر والاضحیٰ اس کو بھی ملاحظہ فرمائیں

عن عائشہ قالت دخل ابوبکر و عندی جاریتان من جواری لانصار تغنیان فقال ابوبکر المزامیر الشیطان فی بیت رسول اللہ ﷺ وذلک فی یوم عید فقال رسول اللہ ابابکر ان لکل قوم عیدا وھذا عیدنا

(بخاری ج ا ص ۱۳۰)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق (عید کے دن) گھر میں داخل ہوئے اس وقت میرے پاس انصار کی کچھ لڑکیاں گا رہی تھیں ابوبکر نے فرمایا کہ تم عید کے دن اور حضور ﷺ کے گھر میں گا رہی ہو پس حضور ﷺ نے فرمایا کہ ابوبکر ہر قوم کے لیے کوئی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

اس عید سے مراد جو حدیث میں مذکور ہے وہ عید الفطر ہے یا عید الاضحیٰ ہے۔

جیسا کہ دوسری حدیث میں صراحتاً مذکور ہے۔

عن عائشہ ان ابابکر دخل علیھا والنبی ﷺ عندھا یوم فطر او اضحی

(بخاری ج ا ص ۵۵۹)

یعنی حضور ﷺ اور ابوبکر صدیق حضرت عائشہ کے پاس عید الفطر کے دن آئے یا عید الاضحیٰ کے دن۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدیں دو ہیں عید الفطر اور عید الاضحیٰ تیسری کوئی عید نہیں اگر تیسری بھی عید ہوتی تو اس کا بھی ذکر ہوتا۔

پروفیسر صاحب یہ سب دلائل آپ کے سامنے ہیں، فیصلہ فرمائیں۔

پروفیسر صاحب کا فیصلہ

پروفیسر: میں نے پہلی مرتبہ ایسی باتیں سنی ہیں کاش اگر ہم کو پہلے سے یہ باتیں معلوم ہوتیں تو ہم اجتناب کرتے اب آئندہ کے لیے میری توبہ واقعی علماء نے درست لکھا کہ عید میلاد النبی بعد میں رائج ہوئی اور اس کی کیا حقیقت ہو سکتی ہے جو بعد میں گھڑ لی ہو۔

سعید: اس دن جو وہ لوگ کرتے ہیں مثلاً چراغاں کرنا، کعبہ بنانا اور اس کا طواف کرنا اور صفا و مروہ مصنوعی بنانا اسی طرح روضہ اقدس کا بنانا اس کا احترام اسی طرح کرنا جس طرح کعبہ صفا و مروہ اور روضہ اقدس کا کیا جاتا ہے۔

کیا یہ دین ہے یا دین کے ساتھ مذاق اڑانا ہے!!

پروفیسر: افسوس صد افسوس اگر ان کے پاس تھوڑی سی بھی عقل ہوتی تو وہ لوگ ہرگز ایسا نہ کرتے جو لوگ شعائر اسلام اور دین کا مذاق اڑاتے ہیں وہ لوگ کافر ہو جاتے ہیں۔ ان کو توبہ کرنی چاہیے اور ایسے کاموں سے باز آنا چاہیے۔ ورنہ دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی کے سوا کچھ نہیں ملے گا پھر شرمندگی ہو گی وہ کس کام کی۔

عرس کا مسئلہ

سعید: اب آیئے عرس کی طرف جو ان کے نزدیک یہ دین کا بہت بڑا حصہ تصور ہوتا ہے اور ان کا مذہب ہی عرس پر قائم ہے کیونکہ یہ ایک ہی پورے سال کے لیے معاش کا ذریعہ ہے اس لیے اس کا خاص اہتمام کرتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ پورے سال کا خرچہ نکل آئے اور پورا سال کمانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

اب ان سے پوچھتے ہیں یہ دین میں کیا مقام رکھتا ہے اور شریعت نے اس کی اجازت بھی دی ہے یا نہیں۔

عبدالحارث: عرس کا مقام دین میں بہت بڑا ہے اور شریعت نے اس کو سنت کا درجہ دیا ہے۔

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

روی ابن ابی شیبہ ان النبی ﷺ کان یاتی قبور الشھداء باحد علی راس کل حول

(شامی ج۲ ص۲۴۲)

حضور ﷺ ہر سال شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔

جب خود حضور ﷺ ہر سال قبروں پر جاتے تھے تو ہمارے لیے جانا کیسے منع ہوا اور وہ بھی ہر سال جاتے تھے اس لیے ہم بھی سال میں ایک مرتبہ عرس کا اہتمام کرتے ہیں تا کہ حضور ﷺ کی طرح ہمارا عمل ہو جائے اور یہ ہی سنت ہے دوسری بات ہم لوگ فاتحہ کرتے ہیں قرآن پڑھتے ہیں اور صاحب قبر کے لیے دعا مغفرت کرتے ہیں کیا یہ کرنا ناجائز ہے؟ جب یہ جائز ہے تو منع کس بات کا کیا جاتا ہے۔

سعید: ہم لوگ بزرگان دین کی قبر پر جانے سے منع نہیں کرتے بلکہ اچھی بات ہے بزرگان دین کی قبر پر جائے حاضری دیں سلام کریں اور ان کے لیے دعائیں کریں یہ سب درست ہیں۔ لیکن سنت کے مطابق اور شریعت کے مطابق ہو لیکن قبروں کی زیارت کے لیے دن مقرر کرنا اور متعین دن اجتماع کرنا پھر وہاں قوالی کی محفل منعقد کرنا، لنگر کا اہتمام کرنا یہ سب برائی کی جڑ ہے اس کی کوئی اصل نہیں۔

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

ولا تجعلوا قبری عیدا (مشکوۃ ج۱ ص۸۶)

تم لوگ میری قبر کو عید مت بنانا

جب حضور ﷺ کے روضہ مبارک پر کوئی دن مقرر نہیں اور نہ عرس ہوتا اور اسی طرح نہ کسی صحابی کی قبر پر عرس ہوتا ہے تو تم لوگ دوسرے بزرگ کی قبر پر کیوں عرس کا اہتمام کرتے ہو۔

اگر عرس جائز ہوتا تو سب سے پہلے صحابہ کرتے پھر تابعین تبع تابعین کرتے جب یہ ثابت نہیں تو سنت کہاں سے ہو گیا کیا یہ ظلم نہیں۔

جب خود حضور ﷺ نے روضہ مبارک کے لیے پہلے سے ہی بتلا دیا کہ تم لوگ میری قبر پر عرس نہ کرنا جمع مت ہونا عید گاہ مت بنانا تو کیا کسی دوسرے کے لیے جائز ہو گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں

لا تجعلوا زیارۃ قبری عیدا قول ھذا اشارۃ الی سید التحریف کما فعل الیھود و النصری بقبور انبیاء ھم وجعلوھا عیدا و موسما بمنزلۃ الحج

(حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص۷۷)

میری قبر کی زیارت کو عید نہ بنانا۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں اشارہ ہے کہ تحریف کا دروازہ بند کر دینا ہے کیونکہ یہود نصریٰ نے اپنے انبیاء کی قبروں کو عید اور حج کے موسم کی طرح کر دیا تھا۔

سن لیا جب دن متعین کرنا منع ہے تو تم لوگ دن کو متعین کر کے یہودی و نصرانی کی طرح ہو گئے تم میں اور ان میں کیا فرق رہا.....؟

آگے سنیے۔

زمانہ جاہلیت میں جاہل لوگ بھی مقصد جگہوں کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور اس کی زیارت کرتے اور اس سے برکتیں حاصل کرنے کے خواہش مند رہتے تھے اور اس کی وجہ سے تحریفات اور فسادات کا سلسلہ جاری رہتا اور وہ لوگ شعائر اسلام کے ساتھ غیر شعائر اسلام کو

برابر کر دیتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اس کو سمجھتے تھے تب حضور ﷺ نے اس سے منع فرمایا تا کہ غیر اللہ کی عبادت کا شبہ بھی نہ رہے اسی کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

كان اهل الجاهلية يقصدون مواضع معظمه بزعمهم يزورونها و يتبركون بها و فيه التحريف والفساد ما لا يخفى فسد النبى الفساد لئلا يلتحق غير الشعائر لئلا يصير ذريعة لعبادة غير الله

(حجۃ اللہ البالغۃ ج ا ص ۱۹۲)

اس کا مفہوم اوپر بیان ہوا۔

حضور ﷺ کا روکنا یہی تھا کہ وہ لوگ غیر اللہ کی عبادت شروع نہ کر دیں اور ان کو سجدہ نہ کر دیں اور ان کو مشکل کشا اور حاجت روانہ مان لیں۔ لیکن یہ سب آج کل عرس کے مواقع میں دیکھنے میں آتا ہے بلکہ مردوں اور عورتوں کا اس قدر ہجوم ہوتا ہے کہ اللہ کی پناہ وہاں کیا کچھ نہیں ہوتا بیان کرنے کی ضرورت نہیں یہ سب کچھ آپ لوگوں کے سامنے ہے۔

اسی کو قاضی ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں

لاتجوز مايفعله الجهال بقبور الاولياء والشهداء من السجود و الطواف حولها واتخاذ السراج والمساجد اليها ومن الاجتماع بعد الحول كالاعياد ويسمونه عرسا

(مظہری ج ۲ ص ۶۵)

جاہل لوگ اولیاء والشہداء کے مزارات کے ساتھ جو معاملات کرتے ہیں وہ سب کے سب ناجائز ہیں یعنی ان کو سجدہ کرنا اور ان کے ارد گرد طواف کرنا اور ان پر چراغاں کرنا اور ان کی طرف سجدہ کرنا اور ہر سال میلوں کی طرح ان پر جمع ہونا جس کا نام عرس ہے آج کل یہ سب کچھ ہو رہا ہے بلکہ ایسی جگہوں پر بدکاری حد سے زیادہ ہوتی ہے جہاں مردوں اور

عورتوں کا اختلاط ہو تو پھر وہاں زنا کاری بے حیائی کا کام بہت زیادہ ہونے لگتا ہے۔ جیسا کہ امام ابن کثیر راس المفسرین لکھتے ہیں۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ حضرت نوح ؑ اور حضرت ادریس ؑ کی دو نسلیں آباد تھیں ایک تو پہاڑ پر دوسرے نرم زمین پر پہاڑیوں کے مرد خوش شکل تھے عورتیں سیاہ فام تھیں اور زمین والوں کی عورتیں خوب صورت تھیں اور مردوں کے رنگ سانولے تھے ابلیس انسانی صورت اختیار کر کے انہیں بہکانے کے لیے نرم زمین والوں کے پاس آیا اور ایک شخص کا غلام بن کر رہنے لگا پھر اس نے بانسری کی وضع کی ایک چیز بنائی اور اسے بجانے لگا اس کی آواز پر لوگ لٹو ہو گئے اور پھر بھیڑ لگنے لگی ایک دن میلے کا مقرر ہو گیا جس میں ہزار ہا مرد و عورت جمع ہونے لگے اتفاقاً ایک دن ایک پہاڑی آدمی بھی آ گیا اور ان کی عورتوں کو دیکھ کر واپس جا کر اپنے قبیلے والوں میں اس کے حسن کا چرچا کرنے لگا اب وہ لوگ بکثرت آنے لگے اور آہستہ آہستہ ان عورتوں مردوں میں اختلاط بڑھ گیا اور بدکاری اور زنا کاری کا عام رواج ہو گیا یہی جاہلیت کا بناؤ ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۴۳)

یہی حال آج کل عرس کے مواقع میں دیکھنے میں آتا ہے جو عرس وغیرہ ہوتا ہے وہ انہی لوگوں سے لیا گیا ہے اور آج کل اس کو سنت کا درجہ دیا گیا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں۔

ومن اعظم البدع ما اخترعوا فى امر القبور واتخذوها عيداً

(تفہیمات الہیہ ج ۲ ص ۶۴)

بڑی بدعتوں میں سے یہ ہے کہ لوگوں نے قبروں کے بارے میں بہت کچھ اختراع کیا ہے اور قبروں کو میلہ گاہ بنا لیا ہے۔ عبد الحارث کا یہ کہنا کہ قبروں پر جمع ہونا قرآن پڑھنا فاتحہ

کرنااوران کے لیے دعائیں کرنا یہ سب جائز ہے اور ثواب بھی ہے اور بہت سی برکات جمع ہوجاتی ہے تو اس کا بھی جواب سنیئے......!

شیخ علی متقی الحنفیؒ اس کے رد میں لکھتے ہیں

الاجتماع القراة القرآن علی المیت بالتخصیص فی المقربة او المسجد او البیت بدعة مذمومه

(رسالہ رد بدعات)

قبرستان میں یا مسجد یا گھر میں تخصیص کے ساتھ میت کے لیے قراۃ قرآن کے لیے اجتماع بدعات مذمومہ ہے۔

پروفیسر صاحب آپ نے شیخ کا مقولہ سن لیا وہ تو سختی کے ساتھ ان چیزوں کو منع کرتے ہیں کیونکہ ان کو اندازہ ہے کہ اگر ان چیزوں کو جائز قرار دیا تو مفاسد کے دروازے کھل جائیں گے اس لیے ان کو روکا گیا۔

پروفیسر صاحب آپ نے خود دیکھا ہوگا کہ عرس کے دن کیا کیا برائیاں پیدا ہوتی ہیں' اس کا مشاہدہ بھی کیا ہوگا۔

ایک دو کا ذکر کرتا ہوں اگر عرس کو جائز قرار دیں اور لوگ جمع ہو جائیں تو پھر دیکھو کچھ لوگ صاحب قبر کو خدا ماننے لگتے ہیں یا کم از کم خدا کی چند اوصاف کے ساتھ ان کو متصف ضرور مانتے ہیں کچھ لوگ صاحب قبر سے اپنی حاجتیں طلب کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ان کو انبیاء کا درجہ یا اس سے بڑھ کر درجہ قرار دیتے ہیں کچھ لوگ وہاں قوالی کے اڈے قائم کرتے ہیں کچھ لوگ زنا کاری میں مصروف ہوتے ہیں اور عورتوں کا ذکر ہی چھوڑ یے۔ اللہ کی پناہ حد ہوگئی ان بدبختوں کی جہاں بھی کوئی اونچی قبر دیکھ لی تو بس لوگ ان کو بزرگ تصور کرنے لگتے ہیں اور وہاں پوجا پاٹ شروع کر دیتے ہیں کوئی تحقیق نہیں کرتے کہ صاحب قبر کون ہے

بزرگ ہے یا عام آدمی یا صرف کمانے کے لیے قبر بنادی ہے تا کہ پیسے آتے رہیں اور ہمارا گھر چلتا رہے۔

یہ بات میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ ایسے واقعات ظہور پذیر ہو چکے ہیں اور بہت سو نے مجھے ایسے واقعات سنائے لیکن ان سے قطع نظر کرتے ہیں۔ صرف ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں جو امام ابن کثیر نے اپنی معرکۃ الآراء تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں۔

ایک نصرانی پادری نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک پرندہ کا چھوٹا سا بچہ جسے اڑنے اور چلنے پھرنے کی طاقت نہیں ایک گھونسلے میں بیٹھا ہے جب وہ اپنی ضعیف اور پست آواز نکالتا ہے تو اور پرندے اسے سن کر رحم کھا کر زیتون کا پھل اس گھونسلے میں لالا کر رکھ جاتے ہیں۔

(اس نے سوچا کہ کمانے کا اچھا طریقہ ہاتھ آیا ہے۔) اس نے اسی صورت کا ایک پرندہ کی چیز کا بنایا اور نیچے سے اسے کھوکھلا رکھا اور ایک سوراخ اس کی چونچکی طرف رکھا جس سے ہوا اس کے اندر گھستی تھی پھر جب نکلتی تھی تو اسی طرح کی آواز اس سے پیدا ہوتی تھی اسے لاکر اپنے گرجے میں ہوا کے رخ رکھ دیا چھت میں ایک چھوٹا سا سوراخ کر دیا تا کہ ہوا اس سے جائے اب جب ہوا چلتی اور اس کی آواز نکلتی تو اس قسم کے پرندے جمع ہوجاتے اور زیتون کے پھل لالا کر رکھ جاتے اس نے لوگوں میں شہرت دینی شروع کی کہ اس گرجے میں یہ کرامت ہے یہاں ایک بزرگ کا مزار ہے اور یہ کرامت انہی کی ہے لوگوں نے بھی جب اپنی آنکھوں یہ ان ہونی عجیب بات دیکھی تو معتقد ہوگئے اور اس قبر پر نذرونیاز چڑھانے لگے اب کرامت دور دور تک مشہور ہوگئی حالانکہ کوئی کرامت نہ تھی نہ معجزہ تھا صرف ایک پوشیدہ فن تھا جسے اس ملعون شخص نے پیٹ بھرنے کے لیے پوشیدہ طور پر رکھا تھا اور ایک لعنتی فرقہ اس پر ریجھا گیا (تفسیر ابن کثیر ج اص ۱۷۸)

اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں عقل مندوں کے لیے یہ ہی عبارت کافی ہے اور اس
سے عبرت حاصل کرو۔

دوسری بات یہ ہے کہ عرس کے دن لوگ وہ جو اسراف کرتے ہیں اور بے جا مال
اڑا دیتے ہیں اس کی کوئی حد نہیں۔ کوئی عرس کے دن دیگیں پکاتا ہے کوئی بتیاں جلاتا ہے کوئی
ہزاروں کی چادریں بناتا ہے کوئی مجاور کو نذر و نیاز دیتا ہے اور نہ جانے کیا کیا وہاں مفاسد
ہوتے ہیں۔ علماء نے بھی اس کی ممانعت فرمائی ہے۔

قبروں پر عرسوں میں جا کر خرافات (بیہودہ کام اور فضول خرچ) کرتے ہیں بہت برا
ہے کرنا ان کا (مظاہر حق ج اص ۲۹۹ درود شریف بیان)

اللہ رب العزت نے فضول خرچی سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے فضول خرچی کرنے
والے کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔

وات ذالقربی حقه والمسکین وابن السبیل ولا تبذر تبذیرا ان
المبذرین کانوا اخوان الشیاطین وکان الشیطن بربه کفورا

رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق ادا کرو اور فضول خرچ کر کے مال نہ اڑاؤ کیونکہ
فضول خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ہی ناشکرا ہے۔

عرس تو ایک ناجائز عمل ہے لیکن اس کو اپنانے کے لیے فضول خرچی کرنی پڑتی ہے اس
کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی اور شیطان کی خوشنودی کا سبب بنتی ہے۔

اگر عرس نہ ہوتا تو اتنے مفاسد سامنے نہ آتے یہ سب شیطانی کام ہے اور شیطانی چال
ہے لوگوں کو برے کاموں کو اچھا کر کے پیش کرتا ہے۔

اللہ جس کو بچائے وہ ہی بچ سکتا ہے ورنہ اچھے اچھے لوگوں کے قدم پھسل گئے اسی وجہ
سے اللہ رب العزت نے شیطان کی پیروی سے منع فرمایا۔

یاایها الذین امنوا لا تتبعوا خطوات الشیطن ومن یتبع خطوات الشیطن
فانه یامر بالفحشآء والمنکر

اے ایمان والو شیطان کے قدم بقدم نہ چلو جو شخص شیطان کی پیروی کرے وہ بے حیائی
اور برائی کے کاموں کا حکم کرے گا۔

ابلیس بھی گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے اور وہ لوگوں کو گمراہ کرنے پر اپنے تمام داؤوں کو
استعمال کر رہا ہے وہ قسم قسم کے حربے استعمال کر رہا ہے اس نے بھی اپنے رب سے کہا تھا کہ
جب میں گمراہ ہوا تو ضرور میں تیرے بندے کو بھی گمراہ کروں گا۔

جیسا کہ قرآن میں آتا ہے

قال رب لما اغویتنی لا زین لهم فی لارض ولا غوینهم اجمعین الا
عبادک منهم المخلصین

کہنے لگا کہ اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میری بھی قسم ہے میں بھی زمین
میں ان کے لیے مزین کروں گا اور ان سب کو بھی بہکاؤں گا بجز تیرے ان بندوں کے جو
منتخب کر لیے گئے ہیں شیطان ہر شعبے میں گمراہ کرنے میں لگا ہوا ہے کسی کو عرس کے ذریعہ
گمراہ کر رہا ہے کہتا ہے کہ یہ دین ہے یہ سنت ہے اس کو خوب کرو لوگوں کے طعنے مت سن اور
یہ بھی کہتا ہے کہ جو اچھا کام ہوتا ہے لوگ اسی کو ہی منع کرتے ہیں اس لیے ان کی طرف کان
مت دھرو ان کو اس سے کیا پڑی تو اپنا کیے جا اس میں ثواب بہت ہے بزرگ خوش ہو جائیں
گے اور تمہارے لیے خوشیوں کے دروازے کھول دیں گے اور تمہارے لیے آخرت میں
سفارش کریں گے اور تم کو کیا چاہیے۔

ایسی ایسی باتیں دلوں میں ڈال کر لوگوں کو گمراہ کیا اور کر رہا ہے اور لوگ گمراہ ہو رہے
ہیں۔ اگر عرس منانا اچھا عمل ہوتا اور سنت ہوتا تو ضرور حضور ﷺ اس کی تعلیم دیتے اور

صحابہ اس کو کرتے اور یہ عمل آج تک اچھا سمجھا جاتا لیکن اس کا سنت ہونا ثابت نہیں اور نہ ہی کسی عالم نے اس کو کرنے کی اجازت دی بلکہ سختی کے ساتھ اس کو منع فرمایا۔ پروفیسر صاحب آپ اس کے بارے میں کیا حکم فرمائیں گے۔

پروفیسر صاحب کا فیصلہ

پروفیسر: یہ عرس واقعی بعد میں پیدا ہوا ہے اور جو چیز بعد میں پیدا ہو وہ کیسے سنت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کے زمانے میں بڑے بڑے صحابہ شہید ہوئے اور فوت ہوئے ان کی قبروں پر عرس نہیں ہوتا اور خلفاء راشدین کے دور میں بھی بڑے بڑے صحابہ وسلف صالحین فوت ہوئے وہ اپنے زمانے کے عظیم ہستی تصور ہوتے تھے۔ لیکن ان کی قبر پر بھی عرس نہیں ہوتا بلکہ خود حضور ﷺ کے روضہ مبارک پر عرس نہیں ہوتا اور نہ ابوبکر و عمر و عثمان و حیدر کی قبروں پر عرس ہوتا ہے جب ان کے لیے عرس نہیں ہوتا تو دوسرے کے لیے بھی ناجائز ہوا اس لیے میں یہی کہوں گا کہ عرس منانا سنت نہیں بلکہ بدعت ہے۔

سعید: پروفیسر صاحب یہ لوگ عرس مناتے ہیں مختلف بزرگوں کا نام لے کر آپ ان کو جانتے بھی ہیں یہ کون صاحب ہیں کب پیدا ہوئے کب وفات ہوئی کن سے تعلیم حاصل کی کہاں کے رہنے والے ہیں واقعی ہی دنیا میں ان کا ایک مقام تھا اور اپنے دور میں لوگ ان کے معتقد تھے یا صرف کمانا وٹولنا مقصود ہے۔

پروفیسر: ہم کو تو صرف ایک دو کے سوا کسی کا حال معلوم نہیں ہم تو صرف دیکھا دیکھی میں کرتے ہیں ہم سے پہلے لوگ کرتے تھے اس لیے ہم نے بھی وہ ہی طریقہ اختیار کیا ہے لیکن اب میری توبہ نہ میں عرس میں جاؤں گا اور نہ اس کی دعوت دوں گا بلکہ اس سے روکوں گا۔

سعید: کیا یہ لوگ صریح گمراہی میں مبتلا نہیں؟

پروفیسر: واقعی ان لوگوں پر شیطان مسلط ہو گیا ہے۔

بریلوی لوگ نہ اہل سنت والجماعت میں شامل ہیں نہ حنفی

سعید: پروفیسر صاحب بریلوی حضرات نہ اہل سنت والجماعت میں شامل ہیں نہ حنفی ہیں۔

پروفیسر: اس کی تھوڑی وضاحت فرمائیں۔

سعید: ہم نے جو گفتگو کی اس میں سنت و بدعت کا لفظ آتا رہا میں مناسب سمجھتا ہوں کہ سنت و بدعت کے بارے میں کچھ عرض کروں۔

سنت و بدعت باہم متقابل ہیں جب ایک چیز سنت ہے تو وہ بدعت نہیں اور جب ایک چیز بدعت ہے وہ سنت نہیں۔

سنت وہ طریقہ ہے جو حضور ﷺ نے اپنایا ہے اور اس کے خلاف بدعت ہے اس کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین وصحابہ کرام کی سنت بھی سنت نبوی کا حکم رکھتی ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے

علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهديين

(مشکوٰۃ ص ۳۰)

میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت تم پر لازم ہے اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا

اکرموا اصحابی فانهم خیارکم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یظهر الکذب

(مشکوٰۃ ص ۵۵۴)

میرے صحابہ کی عزت کرو کیونکہ وہ تم میں سب سے پسندیدہ لوگ ہیں پھر وہ لوگ جوان کے بعد ہوں گے پھر وہ لوگ جوان کے بعد ہوں گے اس کے بعد جھوٹ کا ظہور ہوگا۔

یہ ہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے صحابہ کے راستے پر چلنے کا حکم دیا ہے اور جو شخص ان کے

راستے سے ہٹ جائے اور اس کے خلاف راستے پر چلے تو اسے گمراہ قرار دیا جائے گا۔

اس لیے صحابہ کرام کی سنت ہی در اصل حضور ﷺ کی سنت مطہرہ کا آئینہ ہے۔

اور اسی طرح تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ کو بھی بہترین زمانہ کہا گیا ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم

(الصواعق المحرقہ ص ۶)

ان تین زمانوں میں مسلمانوں کا عمل جس چیز پر رہا وہ بیشک سنت کے دائرے میں آتا ہے اور جو چیز حضور ﷺ صحابہ کرام تابعین کے زمانے میں معمول و مروج نہ رہی اس کو دین کی بات سمجھ کر کرنا بدعت کہلاتی ہے۔

اس معمولی تشریح سے سنت و بدعت کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے اور جو بریلوی اہل سنت والجماعت سے خارج ہے وہ اسی بنا پر ہے ان کا عمل نہ سنت سے ثابت ہے نہ صحابہ کرام سے اور اسی طرح بریلوی حنفی بھی نہیں کیونکہ جن امور پر ہماری گفتگو ہوئی بریلویوں کا مذہب ان چیزوں پر ہے لیکن میں نے آپ کے سامنے قدرے تفصیل کے ساتھ حنفی علماء کے مذہب اور اس کے فتاوی جات نقل کر دیے ہیں۔

کسی ایک حنفی عالم نے ان چیزوں کو اپنا مذہب بنایا اور نہ اس کے کرنے کا فتوی دیا ہے۔

بلکہ تمام حنفی علماء نے ان چیزوں کو بدعت قرار دیا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔

تو بریلوی حضرات پھر اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت و حنفی کیونکر کہتے ہیں ان کا عمل ان کے خلاف ہے۔

ان کو چاہیے کہ آج سے ہی اپنے آپ کو اہل سنت والجمات و حنفی کہنا چھوڑ دیں وہ لوگ

مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں ان کا وبال ان ہی لوگوں پر ہے یا اللہ ہم کو ان لوگوں سے بچا۔ آمین

بریلوی لوگ بدعتی ہیں و بدعت کے بارے میں وعیدیں

سعید: پروفیسر صاحب کیا پھر بریلوی لوگ بدعتی نہ ہوئے؟

پروفیسر: کیوں نہیں بلکہ انتہائی درجے کے بدعتی ہیں۔

سعید: بدعت کے بارے میں بے شمار وعیدیں ہیں

اس کو بھی سنیے۔

عن عائشہ قالت قال رسول اللہ ﷺ من احدث فی امرنا ھذا مالیس منہ فھو رد

(مشکوۃ ۲۷)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے دین میں کوئی طریقہ نکالا جو دین میں نہیں تھا تو وہ مردود ہے۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا

وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ

(مشکوۃ ص ۲۷)

بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اور دوسری حدیث میں آتا ہے

وکل ضلالۃ فی النار

(نسائی ج ا ص ۱۷۹)

اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

ایک حدیث میں بدعتی کو پناہ دینے پر بھی سخت وعید نازل ہوتی ہے کہ قال رسول اللہ المدینة حرام مابین عیر الی ثور فمن احدث فیها حدثا او اوی محدثا فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین لا یقبل منه صرف ولا عدل

(مشکوٰۃ ص ۲۳۸)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ مقام عیر سے لے کر مقام ثور تک حرم ہے۔ جس نے اس میں کوئی بدعت ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ تعالیٰ کی فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی لعنت ہو نہ تو اس کی نفلی عبادت قبول ہوگی اور نہ فرضی۔

اس سے بڑھ کر سخت الفاظ بدعت و بدعتی کے تردید و مذمت کے لیے کیا ہو سکتے ہیں۔

آگے سنیے

قال رسول اللہ ﷺ ابی اللہ ان یقبل عمل صاحب بدعة حتی یدع بدعته

(ابن ماجہ ص ۶)

آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بدعتی کے عمل کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے تاوقتیکہ وہ اپنی بدعت کو ترک نہ کر دے۔

قال رسول اللہ من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام

(مشکوٰۃ ص ۳۱)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی بدعتی کی تعظیم و توقیر کی تو اس نے اسلام کو گرانے پر اس کی مدد اور اعانت کی۔

قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ حجب التوبه عن کل صاحب بدعة

(مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۸۹)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بدعتی پر توبہ کا دروازہ بند کر دیا ہے۔

قال رسول اللہ ﷺ ما احدث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة تمسک بسنة خیر من احداث بدعة

(مشکوٰۃ ص ۳۱)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرے گی مگر اس کی مقدار میں سنت ان سے اٹھالی جائے گی سو سنت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

آگے سنیے

اهل البدع شر الخلق والخلیقه

(الصواعق المحرقہ ص ۴)

اہل بدعت انسانوں اور جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

لا یقبل اللہ لصاحب بدعة صلاة ولا صوما ولا صدقه ولا حجا ولا عمر ولا جهادا ولا صرفا ولا عدلا یخرج من الاسلام کما یخرج الشعرة من العجین

(الصواعق المحرقہ ص ۴)

اللہ تعالیٰ صاحب بدعت کی نہ نماز نہ روزہ نہ صدقہ نہ حج نہ عمرہ نہ جہاد نہ نفل نہ فرض عبادات کو قبول کرتا ہے وہ اسلام سے ایسے نکلے ہوئے ہیں جیسے بال آٹے سے نکالا جاتا ہے۔

اصحاب البدع کلاب النار

(الصواعق المحرقہ ص ۴)

صاحب بدعت جہنم کے کتے ہیں۔

عمل قلیل فی سنة خیر من عمل کثیر فی بدعة

(الصواعق المحرقہ ص۴)

تھوڑا عمل جو سنت ہو وہ بہتر ہے اس عمل سے جو بدعت ہے اور زیادہ ہو۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں حوض کوثر پر تم سے پہلے موجود ہوں گا جو شخص میرے پاس آئے گا وہ اس کا پانی پیے گا اور جو ایک بار پی لے گا پھر اسے کبھی پیاس نہیں ہوگی کچھ لوگ میرے پاس وہاں آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں مگر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ پیدا کردی جائے گی میں کہوں گا کہ یہ تو میرے آدمی ہیں مجھے جواب ملے گا آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا یہ جواب سن کر میں کہوں گا سحقا سحقا لمن غیر بعدی ۔ پھٹکار پھٹکار ان لوگوں کے لیے جنہوں نے میرے بعد میرا طریقہ بدل ڈالا۔

(مشکوٰۃ ۴۸۸)

امام مالکؒ بدعات کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

من ابتدع فی الاسلام بدعة یراھا حسنة فقد زعم ان محمد ﷺ خان الرسالة لان اللہ تعالیٰ یقول الیوم اکملت لکم دینکم الایہ فما لم یکن یومئذ دینا فلا یکون الیوم دینا

(کتاب الاعتصام ج۱ ص۴۷)

جس نے اسلام میں کوئی بدعت نکالی جس کو وہ اچھا سمجھتا ہے گویا اس نے گمان کیا کہ حضرت محمد ﷺ نے ادائیگی رسالت میں خیانت کی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کردیا ہے (الایہ) پس جو چیز اس وقت دین نہ تھی آج بھی ہرگز دین نہیں ہوسکتی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ

اتبعوا اثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم

(الاعتصام ج۱ ص۵۴)

تم ہمارے نقش قدم پر چلو اور نئی بدعات مت ایجاد کرو کیونکہ تم کفایت کیے گئے ہو۔

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔

واما اھل السنة والجماعة فیقولون فی کل فعل وقول لم یثبت عن الصحابة عنھم ھو بدعة لانہ لو کان خیر لسبقونا الیہ انھم لم یترکوا خصلہ من خصال الخیر الا قد بادروا الیھا

(تفسیر ابن کثیر ج۴ ص۱۵۶)

اہل سنت والجماعت یہ فرماتے ہیں کہ جو قول وفعل حضور ﷺ کے صحابہ کرام سے ثابت نہ ہو تو اس کا کرنا بدعت ہے کیونکہ اگر وہ کام اچھا ہوتا تو ضرور حضرات صحابہ کرام ہم سے پہلے اس کام کو کرتے اس لیے کہ انہوں نے نیکی کے کسی پہلو اور کسی نیک اور عمدہ خصلت کو تشنہ عمل نہیں چھوڑا بلکہ وہ ہر کام میں گویا سبقت لے گئے۔

ان عبارات سے بریلوی حضرات بدعتی ہوئے ان کا عمل صحابہ کرام کے عمل کے خلاف ہے۔

ان کو توبہ کرنی چاہیے بدعت اتنی بری چیز ہے جو بدعت پر چلتے ہیں اللہ رب العزت ان کو توبہ کی توفیق ہی نہیں دیتے توبہ کا دروازہ ان کے لیے بند کردیا جاتا ہے کیونکہ توبہ تو وہ شخص کرتا ہے جو گناہ کو گناہ سمجھتا ہو لیکن بدعتی اپنے بدعمل کو گناہ ہی نہیں سمجھتا وہ کس چیز کی توبہ کرے۔

اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ

الٰہی خیر کہ فتنہ آخر زمان آیا
رہے ایمان و دیں باقی کہ وقت امتحان آیا

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بدعت کی تردید اس طرح کرتے ہیں۔

ہر ہوشیار دانا مومن کے واسطے بہتر ہے کہ آیات اور احادیث کے جو ظاہرہ معنی ہوں اس کی پیروی کرے اور تابعدار بنے اور نئی باتیں نہ نکالے اور نہ اپنی طرف سے کمی بیشی کرے اور نہ بہت تاویلیں نکالیں ایسا نہ ہو کہ بدعت اور گمراہی اختیار کرے اور پھر اس سے ہلاک ہوجاوے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ تم پیروی کرو اور بدعت اختیار نہ کرو یہی تمہارے لیے کافی ہے معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ جو باتیں پوشیدہ رکھی گئی ہیں ان کی جستجو سے بچو اور یہ بھی مت کہو کہ فلاں چیز کیا ہے۔ جب مجاہدؒ کو معاذؓ کی یہ حدیث معلوم ہوئی تو اس نے کہا کہ ہم کہا کرتے تھے کہ یہ کیا ہے؟ مگر اب سے ایسا نہیں کہیں گے اس لیے ہر ایک مومن کو سنت اور جماعت کی پیروی کرنی واجب ہے پس سنت اسی طریقے کو کہتے ہیں جس پر رسول اللہ ﷺ چلے اور جماعت وہ بات ہے جس پر چاروں اصحابہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں اتفاق کیا ہے اور یہ لوگ سیدھا راستہ دکھانے والے ہیں کیونکہ ان کو سیدھا راستہ دکھایا گیا ہے ان سب پر خداوند کریم کی رحمت ہو اور مناسب یہ ہے کہ اہل بدعت کے ساتھ مباحثہ میل جول نہ کیا جاوے اور نہ ان کو سلام کہے کیونکہ ہمارے امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اہل بدعت کو سلام کرتا ہے گویا وہ ان سے دوستی رکھتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم آپس میں سلام پھیلاؤ تاکہ تمہارے درمیان محبت بڑھے اور بدعتیوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور نہ

ہی ان کے قریب جاؤ اور ان کے کسی خوشی کے وقت یا ان کی عید کے دن ان کو مبارک باد نہ کہو اور اگر یہ لوگ مر جائیں تو ان پر جنازہ کی نماز نہ پڑھو اور اگر کہیں ان کا ذکر ہو تو ان کے حق میں رحمت کے کلمے نہ کہے جائیں بلکہ ان لوگوں سے دور رہیں اور ان سے دشمنی رکھیں اور یہ دشمنی خداوند تعالیٰ کے واسطے ہو اور اس اعتقاد سے ہو کہ اہل بدعت کا مذہب جھوٹا ہے اور ان کی دشمنی سے ہم کو بڑا ثواب اور بہت اجر ملے گا۔

رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی اللہ کے واسطے اہل بدعت کو اپنا دشمن سمجھے اور دشمنی کی نظر سے ان کو دیکھے تو خداوند کریم اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا اور اگر کوئی اہل بدعت کو خدا دشمن جان کر ان کو ملامت کرے تو خداوند کریم قیامت کے دن اس کو امن اور ایمان میں رکھے گا اور جو شخص اہل بدعت کو ذلیل و خوار رکھے اللہ جل شانہ اس کو بہشت میں سو درجے بخشے گا اور جو آدمی بدعتی سے کشادہ پیشانی سے یا اس طرح سے پیش آئے جس سے وہ خوش ہو تو اس شخص نے اس چیز کی حقارت کی۔ جو اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول ﷺ پر نازل فرمائی اور ابی مغیرہؒ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ جل شانہ اہل بدعت کے اعمال قبول نہیں کرتا جب تک وہ بدعت سے باز نہ آئیں اور فضیل بن عیاضؒ روایت کرتے ہیں اگر کوئی آدمی اہل بدعت کے ساتھ دوستی کرے تو اس کے نیک عملوں کو خداوند تعالیٰ ضائع کر دیتا ہے اور اس کے دل سے ایمان کا نور نکال لیتا ہے اور جس وقت اللہ تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شخص اہل بدعت سے دشمنی رکھتا ہے تو اللہ جل شانہ اس کو بخش دیتا ہے اگر چہ اس کے عمل تھوڑے ہی ہوں اور جب تو کسی بدعتی کو راستے میں آتا ہوا دیکھے تو اس راستہ کو چھوڑے اور

دوسرے راستے سے ہوکر چلا جا فضیل بن عیاضؒ نے کہا ہے کہ سفیان عیینہؒ کو میں نے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بدعتی کے جنازہ کے پیچھے جاوے تو جب تک وہ واپس نہ آوے خدا کا غضب اس پر نازل ہوتا رہتا ہے اور تحقیق رسول مقبول ﷺ نے بدعتی پر لعنت کی ہے اور فرمایا ہے کہ جو آدمی دین میں کوئی نئی بات پیدا کرے یا بدعتی کو اپنے ہاں پناہ دے اس پر خداوند تعالیٰ اور اس کے سب فرشتوں اور سب آدمیوں کی لعنت نازل ہوتی ہیں اور اس کے صرف اور عدل کو خداوند تعالیٰ قبول نہیں کرتا اور صرف سے فرض مراد ہے اور عدل سے مراد نفل ہے۔

(غنیۃ الطالبین ص ۷۵۔۱۷۳)

گفتگو طویل ہوگئی اب آپ لوگوں کی مرضی کہ جس راستے پر چلنا چاہو اختیار کرو میں نے تو حقیقت کو واضح کر دیا ہے اور میں تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی باتوں پر عمل کروں گا جو انہوں نے اپنی کتاب میں لکھ دیا ہے۔

پروفیسر: آج سے میری توبہ میں اب توبہ کرتا ہوں جو مجھ سے ہو چکا یا اللہ اس کو معاف فرما آئندہ میں اس سے اجتناب کروں گا اور اب میں سچا اور پکا مسلمان ہوتا ہوں۔

سعید: عبدالحارث آپ بھی تو کچھ فرمائیں۔

عبدالحارث: میں اپنے مذہب بریلویت کو چھوڑتا ہوں اور جو آپ کا مذہب ہے اس کو اختیار کرتا ہوں اس لیے کہ آپ کا مذہب رسول اللہ والاصحابہ کرام و سلف صالحین والا ہے بریلوی کا مذہب بدعت پر مشتمل ہے آج مجھے پتہ چلا میں بھی توبہ کرتا ہوں یا اللہ مجھے اس صحیح دین پر چلا جو رسول اللہ ﷺ وصحابہ والا ہے۔آمین

سعید: اب ہم آپس میں ایک دوسرے سے سلام کرکے رخصت ہوتے ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا صاحب لواء الفخر محمد و علی اله واصحابه وازواجه اجمعین تبعهٗ الی یوم الدین

انور حسین گودھروی

۳۰ جمادی الاخر ۱۴۲۴ھ ۲۹ اگست ۲۰۰۳

یوم الجمعۃ بعد صلوٰۃ الجمعۃ

مراجع ومصادر

نمبر	کتاب
۱	مشکوٰۃ
۲	عارضۃ الاحوذی
۳	شرح عقائد
۴	العقیدۃ والواسطیہ
۵	غنیۃ الطالبین
۶	ابوداؤد
۷	فتاوی حدیثیہ
۸	مقاصد الحسنۃ
۹	تفسیر روح البیان
۱۰	الموضوعات الکبریٰ
۱۱	فتاوی شامی
۱۲	تیسیر القال
۱۳	ترمذی
۱۴	ہدایہ
۱۵	بدائع الصنائع
۱۶	قوت المغتذی حاشیہ ترمذی
۱۷	کنز العمال
۱۸	قدوری
۱۹	المفصل للاحکام المرأۃ
۲۰	شرح مسلم امام نووی
۲۱	حاشیہ مشکوٰۃ
۲۲	عالمگیری
۲۳	مرقاۃ
۲۴	فتاوی سراجیہ
۲۵	بحرالرائق
۲۶	خلاصۃ الفتاوی
۲۷	جامع الرموز
۲۸	فوائد بہیہ
۲۹	نفع المفتی
۳۰	ہامش عالمگیری
۳۱	صحیح البخاری
۳۲	تفسیر ابن کثیر
۳۳	روح المعانی
۳۴	الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز
۳۵	حاشیہ جلالین
۳۶	الجامع الاحکام القرآن
۳۷	صحیح مسلم
۳۸	شرح معانی الاثار
۳۹	مدونۃ الکبریٰ
۴۰	اصحاب صفہ
۴۱	حجۃ اللہ البالغۃ
۴۲	حاشیہ الطحاوی
۴۳	اعلاء السنن
۴۴	موطا امام مالک
۴۵	الزواجر
۴۶	بیہقی
۴۷	حاکم
۴۸	طبرانی
۴۹	مدارج النبوۃ
۵۰	الدر المنثور
۵۱	زاد المسیر
۵۲	تفسیر طبری
۵۳	التفسیر المنیر
۵۴	فتح القدیر
۵۵	المحرر الوجیز
۵۶	جلالین
۵۷	کنز الایمان مع تفسیر مرادآبادی
۵۸	تفسیر رازی
۵۹	الوسیط
۶۰	بغوی
۶۱	حاشیۃ الصاوی علی الجلالین
۶۲	تاریخ ابن خلکان
۶۳	الحاوی للفتاوی
۶۴	القول المعتمد
۶۵	دول الاسلام
۶۶	لسان المیزان
۶۷	میزان الاعتدال
۶۸	مدخل
۶۹	تحفۃ القضاۃ
۷۰	عین الہدایہ
۷۱	تفسیر مظہری
۷۲	تفہیمات الٰہیہ
۷۳	رسالہ ردبدعات
۷۴	مظاہر حق
۷۵	الصواعق المحرقۃ
۷۶	نسائی
۷۷	ابن ماجہ
۷۸	مجمع الزوائد
۷۹	کتاب الاعتصام